ہفت روزہ

خدام الدین

لاہور

بانی

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی

شیرانوالہ دروازہ لاہور

۱۲ر ذوالقعدہ ۱۴۰۴ھ
۱۰ر اگست ۱۹۸۴ء

یکے از مطبوعات انجمن خدام الدین ○ لاہور

احادیث الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

آخرت کی منزلیں

عَنْ عُثْمَانَ اَنَّهٗ كَانَ اِذَا وَقَفَ عَلٰى قَبْرٍ بَكٰى حَتّٰى يَبُلَّ لِحْيَتَهٗ فَقِيْلَ لَهٗ تَذْكُرُ الْجَنَّةَ وَالنَّارَ فَلَا تَبْكِيْ وَتَبْكِيْ مِنْ هٰذَا فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْقَبْرَ اَوَّلُ مَنْزِلٍ مِّنْ مَّنَازِلِ الْاٰخِرَةِ فَاِنْ نَجَا مِنْهُ فَمَا بَعْدَهٗ اَيْسَرُ مِنْهُ فَاِنْ لَّمْ يَنْجُ مِنْهُ فَمَا بَعْدَهٗ اَشَدُّ مِنْهُ قَالَ وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا رَاَيْتُ مَنْظَرًا قَطُّ اِلَّا وَالْقَبْرُ اَفْظَعُ مِنْهُ۔

ترجمہ: حضرت عثمانؓ سے روایت ہے کہ وہ جس وقت قبر کے پاس ٹھہرتے تو اس قدر روتے کہ ان کی داڑھی تر ہو جاتی۔ ان سے کہا گیا کہ جب بہشت اور دوزخ کا ذکر کرتے ہو تو نہیں روتے اور جب اس جگہ کھڑے ہوتے ہو تو روتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آخرت کی منزلوں میں سے قبر سب سے پہلی منزل ہے پس اگر کسی نے اس سے نجات پائی تو جو چیز اس کے پیچھے ہے وہ اس سے آسان تر ہے اور اگر اس سے نجات نہ پائی تو جو چیز اس کے پیچھے ہے وہ اس سے سخت تر ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ میں نے کوئی جگہ ایسی نہیں دیکھی جو قبر سے سخت تر ہو۔

اس حدیث سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ موت انسان کو اپنے آخری ٹھکانے پر پہنچنے سے پہلے آخرت کی کئی منزلوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ ان میں سب سے پہلے والی منزل قبر کی ہے یعنی انسان کو مرنے کے فوراً بعد قبر میں ڈالا جاتا ہے۔ جہاں اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے دو فرشتے اس کے پاس آتے ہیں اور اس سے اس کے معبود، اس کے رسول اور اس کے دین کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ مُردے کو ان تمام سوالوں کا جواب دینا پڑتا ہے۔

حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں کہ یہ بازپرس سب سے پہلی بازپرس ہے۔ اگر آدمی اس میں کامیاب ہو جائے اور فرشتوں کے سوالوں کا صحیح جواب دے دے تو وہ قبر کی منزل سے جاتا ہے اور اس کے بعد باقی جتنی منزلیں آتی ہیں ان سب کو وہ بڑی آسانی سے طے کر لیتا ہے۔ اس کے برعکس اگر کوئی شخص فرشتوں کے سوالات کا صحیح جواب نہ دے سکے اور قبر کی منزل سے نجات نہ پا سکے تو اس کے بعد کی آنے والی منزلیں اس منزل سے بھی سخت تر ہوتی ہیں۔

قبر کی منزل اس لیے سخت تر ہے کہ یہاں مُردے کے اعتقاد و عمل کے بارے میں بنیادی سوالات کئے جاتے ہیں۔ اگر کوئی شخص زندگی بھر پکا مسلمان رہا تو اسے قبر میں بھی صحیح جواب دینے میں جھجک نہ آئے گی۔ وہ بڑی بے باکی، جرأت اور صحت کے ساتھ جواب دے سکے گا۔ اور اس طرح آخرت کی باقی منزلیں بھی بڑی آسانی کے ساتھ طے کرتا چلا جائے گا۔

اس کے برعکس جو شخص دنیا میں سچے دین پر قائم نہ رہ سکا۔ اسے قبر میں بھی فرشتوں کے سوالات کا صحیح جواب نہ آئے گا۔ باقی منزلیں بھی اس کے لیے سخت تر ہو جائیں گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے جتنی جگہیں دیکھی ہیں ان سب میں سب سے دشوار قبر کی منزل ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہفت روزہ خدام الدین لاہور

جلد ۳۰ شمارہ ۵

رئیس الادارہ
حضرت مولانا عبیداللہ انور مدظلہ

مجلس ادارت
مولانا محمد اجمل قادری
عبدالرشید انصاری
ظہیر میر ایڈووکیٹ
انتظار حسین اسعد قادری

بدل اشتراک
فی کاپی: -/۲ روپے
پاکستان میں بذریعہ ڈاک
سالانہ ۵۲ شمارے -/۸۰ روپے
ششماہی ۲۶ شمارے -/۴۵ روپے



اسلامی نظام اور احتساب کا عمل

سوڈان سے ایک خوشگوار خبر

برادر اسلامی ملک سوڈان میں بھی کچھ عرصہ سے اسلامی اصلاحات اور شرعی حدود کے نفاذ کا سلسلہ جاری ہے اور اخباری اطلاعات کے مطابق اس سلسلہ میں خاصی پیش رفت ہو چکی ہے۔ اسلامی نظام کے نفاذ اور معاشرے کو شریعت اسلامیہ کے سانچے میں ڈھالنے کے اقدامات کی خبر جہاں کہیں سے بھی آتے دینی حلقوں کے لئے خوشی کا باعث بنتی ہے لیکن بدقسمتی سے اسلامی نظام کے عملی نفاذ اور اسلام کے نام پر سیاست کرنے اور اقتدار کو تحفظ دینے کے رویّہ کے درمیان ابھی تک کوئی واضح حدِ فاصل قائم نہیں ہو سکی۔ جس کی وجہ سے ذہنوں میں الجھنیں ابھرتی ہیں اور اچھی سے اچھی خبر بھی شکوک و شبہات کے دائروں میں محصور ہو کر رہ جاتی ہے۔ ہم پاکستانی مسلمان اس سلسلہ میں بالخصوص بہت زیادہ ستم رسیدہ ہیں کہ ہمارے ہاں علماء اور عوام کی بے مثال قربانیوں کے اسلامی قوانین کے نفاذ کا عمل چند سال قبل شروع ہوا۔ لیکن نفاذ کا اطلاق احکامات کی فائیلوں اور ذرائع ابلاغ کے سوا عملی دنیا میں ابھی تک اور کہیں دیکھنے میں نہیں آ رہا۔

پاکستان میں اسلامی قوانین پر عمل نہ ہونے کی مختلف وجوہات میں ایک بڑی وجہ یہ بھی بیان کی جاتی

ناشر: مولانا عبیداللہ انور • مقام: اندرون شیرانوالہ گیٹ لاہور • مطبع: شرکت پرنٹنگ پریس لاہور

ہے کہ خود قانون نافذ کرنے والے اداروں کے افراد میں اسلامی احکام پر عملدرآمد کا رجحان نہیں ہے اور ملک کے نظام کو چلانے والے افسران اور حکام پر احتساب کا کوئی ایسا مؤثر نظام موجود نہیں ہے جو انہیں احکام اسلامی کا پابند بنا کر معاشرہ میں اسلامی قوانین پر عملدرآمد کا آغاز کر سکے۔

ہمارے ہاں کچھ عرصہ قبل سرکاری دفاتر میں نماز کی ادائیگی کے احکامات صادر ہوتے تھے۔ صفیں بچھی تھیں، نماز کے لئے وقفہ ہوتا تھا اور ابتدا میں پابندی کا اہتمام بھی ہوا تھا مگر بات چند روزہ نمائش سے آگے نہ بڑھ سکی اور احتساب کا بے لوث اور بے لچک عمل موجود نہ ہونے کے باعث نماز جیسا مقدس فریضہ بھی روایتی دفتری تساہل کی نذر ہو گیا۔

یہی وجہ ہے کہ بیوروکریسی کی چالوں اور غفلت شعاری کے ڈسے ہوئے ہم پاکستانی مسلم عوام کسی اور مسلمان ملک میں اسلامی اصلاحات کی خبر پڑھتے ہیں تو ہمارے ذہن تذبذب کے بھنور سے نکل نہیں پاتے۔

اس پس منظر میں یہ خبر خوشگوار ہوا کا ایک جھونکا ہے کہ :—

"خرطوم (ڈپ ا) سوڈان کے صدر جعفر النمیری" نے صوبائی وزیر تعمیرات مامون محمد احمد کو شراب نوشی کے الزام میں وزارت سے برطرف کر دیا ہے۔ صدر نمیری نے وزیر موصوف کو سوموار کے روز ایک تقریب کے دوران نشہ کی حالت میں دیکھا تھا بعد ازاں میڈیکل رپورٹ نے شراب نوشی کی تصدیق کر دی۔ وزیر پر جلد ہی سوڈانی عدالت میں مقدمہ چلایا جائے گا۔"

(روزنامہ جنگ لاہور ۱۲ر جولائی ۸۴ء)

ہمارے لئے اس خبر میں اطمینان کا پہلو یہ ہے کہ اسلامی احکام پر عمل درآمد اور اسلامی قوانین کے مؤثر نفاذ کا راستہ یہی ہے۔ اگر وزراء، حکام اور افسران احتساب کی اسی بھٹی سے گذر کر معاشرہ کو اسلامی ڈھانچے میں ڈھالنے والی مشینری کے کارآمد پرزے بن جائیں تو اسلامی نظام کے نفاذ اور اسلامی احکام پر عمل درآمد میں کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہتی۔ اے کاش مسلم ممالک میں اسلامی نفاذ کے دعوے دار حکمران قول و عمل کی مطابقت کے اس بنیادی نکتہ پر بھی غور کریں۔

پاکستانی ڈگریوں کا معیار

وفاقی وزیر محنت نے لاہور کے ایک اخباری رپورٹر سے گفتگو کرتے ہوئے انکشاف کیا ہے کہ سعودی عرب اور بعض دیگر ممالک میں پاکستانی ڈگریوں کا معیار کم کیا جا رہا ہے اور اس سلسلہ میں سعودی حکومت سے سرکاری سطح پر بات چیت ہو رہی ہے۔

پاکستانی ڈگریوں کے معیار کے بارے میں بعض بیرونی ممالک کا یہ رویّہ ناقابل فہم نہیں ہے ہمارے ہاں تعلیم، امتحان اور ڈگریوں کے حصول کا جو معیار ہے وہ کسی سے مخفی نہیں ہے اور تعلیم گاہوں سے لے کر امتحانات کے سنٹروں اور پرچے چیک کرنے والے ممتحنوں کی خلوت گاہوں تک جو کچھ ہوتا ہے اسے نہ تو چھپایا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس پر پردہ ڈالنے سے ہمارے ڈگری بدست نوجوانوں کی جاہلیت میں اضافہ ہو سکتا ہے —— اس صورت حال میں بیرونی ممالک میں پاکستانی ڈگریوں کا معیار کم کرنے کے رجحان پر شکوہ کرنے کی بجائے ہمیں اپنی کوتاہیوں اور کمزوریوں کو دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے عالمی مارکیٹ میں ہم اپنی ڈگری کا صحیح معیار تعلیمی قابلیت کی بنیاد پر ہی قائم کرا سکتے ہیں۔

(باقی ۔۔۔ پر)

ضبط و ترتیب ادارہ

مجلس ذکر

اللہ کی یاد عقلمند لوگوں کی زندگی کا شعار ہے

پیر طریقت حضرت مولانا عبید اللہ صاحب انور مدظلہم

اَمَّا بَعْدُ! محترم حضرات و خواتین! سورۃ آل عمران کے آخری رکوع کی ابتدائی آیت کا ایک ٹکڑا ملاحظہ فرمائیں، ارشاد باری ہے "اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ" اس کا مفہوم پچھلے ٹکڑے کی روشنی میں یہ ہے کہ اللہ کے نزدیک عقلمند وہ لوگ ہیں جو لیٹے، بیٹھے، اور پہلوؤں پر لیٹے ہوئے الغرض ہر حال میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں، اصل میں اس سے قبل کے ٹکڑے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ زمین و آسمان کی تخلیق اور رات دن کے ادلنے بدلنے میں اللہ تعالیٰ کی عظمت و قدرت کی نشانیاں ہیں یعنی یہ نشانیاں ان کو نظر آتی ہیں، اور وہ ان سے محظوظ و متمتع ہوتے ہیں، جو حضرت حق تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق عقل مند ہیں، آگے پھر عقل مند کی شناخت یوں کرائی گئی کہ وہ قیام اور قعود کی حالت میں حتی کہ اپنے پہلوؤں پر لیٹے ہوئے بھی خدا کو یاد کرتے ہیں گویا کہ ہر وقت خدا کی یاد میں مشغول رہتے ہیں، حضور علیہ السلام کی سیرت و کردار یہی تھا کہ آپ ہمیشہ یاد الٰہی میں مشغول رہتے بلکہ آپ کا تو سوتے ہوئے بھی اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم رہتا کیونکہ آپ نے ارشاد فرمایا ہے، کہ نیند کے وقت میری آنکھیں تو سوتی ہیں دل نہیں سوتا، ویسے تو آپ جانتے ہیں کہ حدیث میں نیند کو موت کی ہی ایک شکل بتلایا گیا ہے، لیکن انبیاء علیہم السلام اور بالخصوص حضور علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے جو خصوصیات و کمالات عطا فرمائے تھے ان کے پیش نظر اس پاکباز گروہ کی نیند کی نوعیت بھی مختلف ہے کہ ان کا قلب انور اس عالم میں بھی بیدار رہتا ہے اس کا رابطہ اپنے پروردگار عالم سے قائم رہتا ہے تاہم چونکہ افراد امت کا معاملہ ایسا نہیں اس لیے ان کے لئے تو ممکن ہے کہ بیداری کے وقت چاہے کسی کام میں مشغول ہوں دل میں اللہ تعالیٰ کی یاد کا سلسلہ جاری رکھیں اور اپنے مربی و پالنہار سے غافل نہ ہو سوتے اور جاگتے وقت کی دعاؤں کے مفہوم پر آپ نظر ڈالیں تو ان میں بھی یہی سبق نظر آئیگا حتی کہ ضرورت طبعی کے پیش نظر آدمی بیت الخلاء جاتا ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم یہ ہے کہ وہاں ننگے سر اور ننگے پاؤں نہ جایا جائے، طہارت و نظافت کے لئے ڈھیلے اور پانی استعمال کیا جائے، قبلہ کی طرف منہ یا پیٹھ کر کے نہ بیٹھا جائے اسکے علاوہ آپ نے یہ بھی تلقین کی کہ وہاں جاتے ہوئے بایاں پاؤں پہلے اندر رکھا جائے اور شیاطین کے شر سے پناہ کی دعا کی جائے کہ گندی جگہیں شیاطین کے رہنے کی ہوتی ہیں اللّٰھم انی اعوذ بک من الخبث والخبائث اور جب وہاں سے نکلا جائے تو جلدی نکلنے کی کوشش کرے اور دایاں پاؤں پہلے باہر نکالے اور یہ کلمہ پڑھے غفرانک اس کے معنی یہ ہیں کہ اے اللہ میں آپ سے معافی طلب کرتا ہوں اس معافی طلب کرنے کا کیا مقصد ہے محدثین نے اسکی کئی توجیہیں بیان کی ہیں، ایک توجیہ جو ذوق سلیم کو خوب خوب اپیل کرتی ہے اور مومن کی شان کے عین مطابق ہے وہ یہ ہے کہ چونکہ مومن کا کام یہ ہے کہ ہر وقت اللہ کی یاد میں مشغول رہے اور یہ جگہ گندگی کی ہے وہاں یاد الٰہی مناسب نہ تھی کہ خدائے پاک کا مقدس نام ایسی جگہ لیا جاتا اسلئے توجہ دلائی کہ جتنی دیر وہاں رہے اور ذکر الٰہی نہ کر سکے اس پر خدا سے بخشش طلب کی جائے باوجودیکہ یہاں ذکر شرعاً اور عقلاً صحیح نہ تھا اور وہاں جانے کی طبعی مجبوری تھی، لیکن پھر بھی اللہ کے نبی نے یہ تعلیم دی کہ اس وقت بھی بخشش طلب کر لو تاکہ تمہیں اس بات کا خیال رہے کہ اللہ کی یاد کیسی ضروری ہے بہرحال اللہ تعالیٰ کی یاد زبان سے دل سے اعضاء و جوارح سے ہر اعتبار سے ضروری ہے اور کسی بھی وقت ادھر سے غفلت کی اجازت نہیں،

جب آدمی اللہ کو یہاں اپنی مجالس میں یاد کرتا ہے تو وہ احکم الحاکمین فرشتوں کی مجلس میں بندوں کو یاد کرتا اور ان کے عمل پر بے پایاں مسرت و خوشی کا اظہار کرتا ہے، کہ آخر انسان اس خالق کائنات کی حسین تخلیق ہے اور یہ جب اس سے اپنے تعلق کا اظہار کرتا ہے تو وہ خوش نہ ہو تو کیوں! اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی یاد کی توفیق سے سرفراز فرمائے آمین۔

خطبہ جمعہ

ضبط و ترتیب : ادارہ

حلم و رواداری مسلمان کا خاصہ ہے

ہمیشہ جذبات پر قابو رکھیے اور جوش و ہوش کو ضائع نہ کیجئے!

جانشین شیخ التفسیر حضرۃ مولانا عبیداللہ انور مدظلہم

بعد از خطبہ مسنونہ :۔
اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم : بسم اللہ الرحمٰن الرحیم :۔

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ أَنْ صَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَنْ تَعْتَدُوا

(سورہ مائدہ ع ۲)

اور تمہیں اس قوم کی دشمنی جو کہ تمہیں حرمت والی مسجد سے روکتی تھی اس بات کا باعث نہ بنے کہ تم بھی ان پر زیادتی کرنے لگو۔

حاشیہ شیخ الاسلام پاکستان

ستہ ہجری میں مشرکین مکہ نے ان سب شعائر کی جن کو حق تعالیٰ نے معظم و محترم قرار دیا تھا اہانت کی ۔۔۔۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور تقریباً ڈیڑھ ہزار صحابہ رضہ ماہ ذیقعدہ میں محض عمرہ ادا کرنے کے لیے مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے۔ حدیبیہ کے مقام پر پہنچ کر مشرکین نے اس مذہبی وظیفہ کی بجا آوری سے روک دیا۔ نہ حالت احرام کا خیال کیا نہ کعبہ کی حرمت کا، نہ محترم مہینہ کا، نہ ہدیٰ و قلائد کا۔ مسلمان شعائر اللہ کی اس توہین اور مذہبی فریضہ سے روک دئے جانے پر ایسی وحشی اور ظالم قوم کے مقابلہ میں جس قدر بھی غیض و غضب اور بغض و عداوت کا اظہار کرتے وہ حق بجانب تھے اور جوش انتقام سے برافروختہ ہو کر جو کارروائی بھی کر بیٹھتے وہ ممکن تھی لیکن اسلام کی محبت و عداوت دونوں جچی تلی ہیں۔ قرآن کریم نے ایسے جابر و ظالم دشمن کے مقابلہ پر بھی اپنے جذبات کو قابو میں رکھنے کا حکم دیا۔ عموماً آدمی زیادہ محبت اور زیادہ عداوت کے جوش میں حد سے گذر جاتا ہے۔ اس لیے فرمایا کہ سخت سے سخت دشمنی تمہارے لیے اس کا باعث نہ ہو کہ تم زیادتی کر بیٹھو اور عدل و انصاف کو ہاتھ سے چھوڑ دو۔

حاصل یہ ہے کہ جابر و ظالم اور بڑے سے بڑے دشمن کے مقابلہ پر بھی اپنے جذبات کو قابو میں رکھنا چاہیے اور عدل و انصاف کا دامن کسی حال میں بھی ہاتھ سے نہ چھوٹنا چاہیے تاکہ غصہ، زیادتی اور تعصب نام کی کوئی چیز انسان کے پاس پھٹکنے نہ پائے۔

جوش میں ہوش کو ضائع نہ کیجئے

حضرات محترم! دوست

اور دشمن سب کے ہوتے ہیں اور سب کو ان دونوں سے سابقہ پڑتا ہے۔ لیکن مبارک ہیں وہ لوگ جو دشمن کے ساتھ بھی وہ سلوک نہیں کرتے جو انسانیت، شرافت اور اخلاق سے گرا ہوا ہو۔ لیکن ایسے لوگ دنیا میں بہت ہی کم ہیں بلکہ خال خال ہیں۔ اس لیے کہ دشمنی اور عداوت کا جذبہ انسان کی عقل پر ایسا پردہ ڈال دیتا ہے کہ صحیح اور غلط کا فرق اٹھ جاتا ہے اچھے اور برے کی تمیز ختم ہو جاتی ہے نتیجۃً جو شخص غیض و غضب اور انتقامی جذبات سے اندھا ہو کر انسان اپنے دشمن کے ساتھ جو کچھ کر گزرتا ہے جو قانونی، شرعی اور اخلاقی حالت سے ہرگز جائز نہیں ہوتا اور عدل و انصاف کے سراسر خلاف ہوتا ہے۔ اس طرح انسان جوش میں ہوش کھو بیٹھتا ہے اور بسا اوقات اس سے وہ کچھ سرزد ہو جاتا ہے جس پر اسے بعد میں سخت پچھتانا پڑتا ہے اور وہ کفِ افسوس ملتا رہ جاتا ہے لیکن کوئی مداوا حرمان و یاس اور بدنصیبی کے علاوہ اس کے سامنے نہیں آتا۔ پس انسان پر لازم ہے کہ وہ جذبات پر ہر حال میں قابو رکھے اور جوش میں ہوش کو ضائع نہ ہونے دے۔

یہاں یہ حقیقت بھی واضح کر دینا ضروری ہے کہ جس طرح جوش، ہوش کو ضائع کر دیتا ہے، غصہ اور جذبۂ انتقام عقل پر پردہ ڈال دیتا ہے، جذبات کا بے قابو ہونا دماغ کو شل اور مفلوج کر دیتا ہے۔ اسی طرح تعصب انسان کو جادۂ اعتدال سے ہٹا دیتا اور عدل و انصاف کی راہ سے بھٹکا دیتا اور دور لے جاتا ہے۔

تعصب

تعصب چار معنوں میں ہے :۔

۱۔ عطائے حقوق کے وقت کسی کو حق سے زائد دیا جائے اور کسی کو حق سے کم۔

۲۔ دوسرے لوگوں کی آزادیٔ عقل اور حریت مذہبی پر ناجائز بندشوں کا بار ڈالا جائے۔

۳۔ اپنے مذہب کی حمایت میں دیگر مذاہب کو حق حفاظت سے محروم کر دیا جائے۔

۴۔ اپنے مذہب کی برکات و انوار کا مستحق خود اپنے آپ ہی کو سمجھا جائے اور دوسروں کو اُن برکات و انوار سے بالکل دُور رکھا جائے۔

اللہ کا احسان ہے کہ اسلام کی تعلیم ان جملہ نقائص اور عیوب سے پاک ہے۔ قرآن عزیز اور آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ تعصب کی ان جملہ اقسام کی مذمت کی ہے اور اپنے دامنِ تعلیم کو تعصبات کے خارزار سے دور رکھا ہے اور عدل و انصاف و ہر حال میں سامنے رکھنے کی تلقین و ہدایت کی ہے۔ چنانچہ زیر عنوان آیت اس کا منہ بولتا اور جیتا جاگتا ثبوت ہے۔ اس کے علاوہ بھی اور بہت سی آیات میں اس قسم کی تعلیم دی گئی ہے، اور ذخائرِ حدیث اور کتب سیر تو اس قسم کی ہدایات و تعلیمات سے اَٹی پڑی ہیں۔ چنانچہ رواداری کے جو نمونے، بے تعصبی کے جو ثبوت، جذبات پر قابو پانے کے جو مظاہرے خود ہادیٔ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیاتِ طیبہ سے صادر ہوئے اور

حضورؐ کے خلفاء راشدین المہدیینؓ، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، ائمہ و علماء اور صلحائے امّت حتیٰ کہ ملوک عظام تک نے دنیا کے سامنے پیش کئے وہ تاریخ انسانی کا روشن ترین اور سنہری باب ہیں۔

فتح مکّہ

ہی کو لیجئے! مکّہ کے لوگوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا کچھ نہیں کیا لیکن جب مکہ فتح ہؤا اور آپ کو دشمنوں پر قابو ملا تو معلوم ہے کہ آپؐ نے اُن ظالموں سے، جنہوں نے قتل کی سازش کی، وطن سے بے وطن کیا، ہزاروں ظلم کئے اور ستم توڑے اور ترکِ وطن کے بعد تین سو میل دور جانے کے بعد بھی چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ کیا سلوک کیا۔ کیا عفو و کرم کا مظاہرہ کیا؟

تاریخ گواہ ہے کہ خدا کے محبوبؐ نے سب کو معاف کر دیا اور اعلانِ عام کر دیا:

لا تثریب علیکم الیوم اذھبوا انتم الطلقاء۔

تم پر آج کوئی مواخذہ نہیں۔ جاؤ! تم سب آزاد ہو مزید برآں سونے پر سہاگہ یہ کہ ابوسفیان جس نے شروع سے لے کر فتح مکہ کے دن تک دشمنی اور عداوت کے اظہار میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا تھا۔ جو مدینے پر جتنے حملے ہوئے سب میں شریک رہا تھا اور سب کا روحِ رواں تھا اس کو نہ صرف معاف ہی فرما دیا بلکہ اس کو یہ عزت بھی بخشی کہ اس کے گھر کو دارالامن قرار دے دیا۔ اور فرما دیا کہ جو شخص ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے گا اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کی ایک بڑی اور گہری سازش تو مکہ میں کی گئی تھی اور دوسری اس کے بعد جب آپ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے اس وقت ہوئی — اور دونوں سازشیں مکہ والوں نے کی تھیں تلوار زہر میں بجھا کر لوگوں کو مدینہ روانہ کیا گیا اور وہ پکڑے گئے اور انہوں نے اقرار بھی کر لیا کہ وہ قتل کے لیے آئے تھے — مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھی معاف کر دیا تھا۔

غرضیکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت دشمنوں سے حسنِ سلوک کے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ آپؐ نے مفتوح ہو کر نہیں فاتح بن کر، محکوم بن کر نہیں حاکم ہو کر ہزاروں دشمنوں کو معاف کیا۔ جن میں سے ہر ایک خون کا پیاسا رہ چکا تھا — اور آپؐ نے اپنے پیارے اور جاں نثار چچا سید الشہداء حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش کو بےحرمت کرنے والے، ان کا مثلہ کرانے والی اور ان کا جگر چبانے والی کو معاف کر دیا۔

اللہ اللہ

وہ عفو و کرم اور حلم و بردباری کا پیکرِ بے مثال، جس نے اُن طائف والوں کے حق میں دعائے خیر کی جنہوں نے کبھی اس پر پتھروں کی وہ بارش کی تھی کہ لہو لہان ہو گیا تھا۔ وہ ہادیٔ عظیم جس نے اُحد کے میدان میں اپنے چہرے کو زخمی کرنے والوں کو نیک دعاؤں سے نوازا تھا۔ وہ رحمۃ للعالمینؐ جس نے دشمنوں کے حق میں بد دعا کرانے والوں کو کہا کہ میں

دنیا میں لعنت کے لیے نہیں بلکہ رحمت کے لیے آیا ہوں۔ اور وہ آقائے نامدارؐ جس کے سامنے ایک دفعہ ایک شخص نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جو آپؐ کی خدمت میں بیٹھے تھے گالی دی — سیدنا ابوبکرؓ چپ رہے۔ اس نے دوبارہ وہی حرکت کی۔ وہ پھر بھی چپ رہے۔ اس نے پھر تیسری مرتبہ بدزبانی کی تو وہ چپ نہ رہ سکے اور کچھ بول اٹھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دیکھ کر فوراً اُٹھ گئے۔ پروانہ شمع رسالت اور مزاج شناسِ نبوت نے عرض کی — "یا رسولؐ اللہ! کیا آپ مجھ سے خفا ہو گئے"؟ فرمایا "اے ابوبکر! جب تم چپ تھے، خدا کا فرشتہ تمہاری طرف سے کھڑا تھا۔ جب تم نے جواب دیا تو وہ ہٹ گیا"۔

وہ مصلح اعظمؐ جس کی تعلیم یہ تھی اور جس نے فرمایا تھا "صلۂ رحم یہ نہیں ہے کہ صلۂ رحم کرنے والوں کے ساتھ صلۂ رحم کرو بلکہ یہ ہے کہ جو قطع رحم کرے اس کے ساتھ صلۂ رحم کرو" — یعنی دوستوں کے ساتھ تو دوستی ہوا ہی کرتی ہے اصل خوبی یہ ہے دشمنوں کے ساتھ دوستی کی جائے۔

اب

اس آئینہ میں جھانک کر اپنی شکل دیکھئے!

اور غور کیجئے! کہ ہمارے خد و خال کیا ہیں؟ کیا ہم سید دو عالم، رحمت دو عالمؐ حلم مجسّم صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق تو دُور کی بات ہے اُمّتی بھی نظر آتے ہیں؟ اور کیا ہمارا اسلامی تعلیمات سے کوئی علاقہ ہے؟ مجھے یقین ہے کہ عوام تو عوام خواص کو بھی اپنی شکلیں دھندلی اور مسخ دکھائی دیں گی۔ دشمنوں سے سلوک دور کی بات ہے اپنوں تک سے عداوت اور نفسا نفسی کا بازار گرم ہے، چھوٹے چھوٹے اختلافات پر طعن و تشنیع، الزام تراشی اور بہتان طرازی بڑے بڑے رہنماؤں اور جبّہ و دستار کے وارثوں تک میں عام ہو گئی ہے۔ حسن سلوک بڑی بات ہے آپس میں مل بیٹھنے کی رواداری بھی عنقا نظر آتی ہے جھوٹ کی سیاست فروغ پا رہی ہے اور اس میں اعلیٰ سے اعلیٰ رہنما اور حکّام سے لے کر عوام تک سب کے سب ملوّث ہیں۔ الّا ما شاء اللہ — زیادہ تکلیف دہ اور ضرر رساں پہلو یہ ہے کہ اسلامی جماعتوں کے قائدین، عشقِ رسولؐ کے داعیین اور نفاذِ نظامِ اسلامی کے داعیین و طالبین بھی رواداری و حلم کے اسلامی جذبہ سے عاری ہیں اور جوشِ عداوت و خواہشاتِ نفس کے تحت ہوش سے ہاتھ دھو رہے ہیں اور کتاب و سنت کی تعلیمات کو پسِ پشت ڈال کر اپنی "انا" کی تسکین میں محو ہیں — نہ جذبات پر قابو ہے نہ زبان پر کنٹرول۔ نہ خدا کا خوف ہے، نہ خدا کے پیغمبرؐ کی حیا۔ کتاب و سنت کی تعلیمات سے بے نیاز اور شرعی حدود و ضوابط کو نظرانداز کئے اپنی اپنی راگنی الاپ رہے ہیں۔

وہ اسلام جو دشمنوں سے حسن سلوک کی تعلیم دیتا ہے اور جذبات پر قابو رکھنے کی تلقین کرتا ہے اس کے نام لیواؤں کا موجودہ طرزِ عمل کیا خود اسلام دشمنی نہیں —؟ کیا آقائے نامدار فداہ ابی و امی صلی اللہ علیہ وسلم کے عشاق کا یہ وطیرہ، یہ انداز اور یہ نقشہ اپنے آقا و مولا کی پاک و مطہّر سیرت اور آپؐ کی سنّت سے نہیں اور کیا یہ طور طریقے اسلام سے دانستہ یا نادانستہ بغاوت

حضرت مولانا علامہ انور شاہ کشمیریؒ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند اپنے وقت کے ممتاز محدث بلکہ اپنے دور کے ابن حجر عسقلانیؒ تھے۔ حضرت امام لاہوریؒ کے ساتھ اپنے دور کے اور اکابر کی طرح حضرت شیخ کے تعلقات بھی مثالی تھے۔ ہمارے ہاتھوں میں حضرت شیخؒ کے فرزند حضرت علامہ سید محمد ازہر شاہ قیصر کی تحریر ہے۔ جس کا ایک ایک لفظ یہ ظاہر کرتا ہے کہ اخلاص و وفا کا جو تعلق ایک نسل پہلے شروع ہوا تھا اپنے پورے عروج کے ساتھ دوسری نسل تک منتقل ہوا ہے۔ ذالک فضل اللہ۔

(ادارہ)

سید محمد ازہر شاہ دیوبند،

میں اکیلا ہی چلا تھا جانب منزل مگر
لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا احمد علی صاحبؒ ان اعیان امت، رجال کار، اور خدا کے برگزیدہ بندوں میں سے تھے جنکی پیدائش روز روز نہیں ہوتی لیکن جب ہوتی ہے تو ان سے قیام دین، احیائے سنت و شریعت، تجدید افکار و خیالات، اعلاء کلمۃ الحق، اور شریعت مطہرہ کی حیات ثانی کا کام لیا جاتا ہے، حضرت مولاناؒ صرف ایک فرد تھے اور لاہور میں جب انہوں نے اپنی دینی زندگی شروع کی تو ظاہری سامان و اسباب میں سے کوئی چیز ان کے پاس نہیں تھی، اگر کوئی چیز تھی وہ اسوقت کے لاہور اور پنجاب کے ناموافق حالات کے سامنے بے کسی تھی اور شریعت و سنت کے مقابلہ اور مخالفت پر اڑے رہنے والے ہزاروں لاکھوں افراد کے درمیان ان کی بے لبسی تھی، ان کا بھروسہ خدا پر تھا خدا کی رحمتوں پر تھا، نام حق کو بلند کرنے کی محنت و مشقتیں اٹھا کر رب ذوالجلال کی بارگاہ سے ایک مخلص بندہ الٰہی کو جو انعامات عطیات عنایت فرمائے جاتے ہیں ان پر حضرت مولانا کو یقین کامل تھا، میں نے متعدد لوگوں سے یہ بات سنی ہے کہ لاہور میں ابتداءً مولانا کی قیام گاہ ایک معمولی سی کوٹھڑی تھی اور وہ اپنے اہل و عیال سمیت اس تنگ و تاریک کوٹھڑی میں اپنا وقت گذارتے تھے، میں نے کسی سے یہ بھی سنا ہے کہ لاہور کے ان ہی ابتدائی ایام میں مولانا ایک دفعہ شدید بیمار ہو گئے اور علاج کا کوئی سامان میسر نہیں تھا، ان کا ایک مخلص مگر نا سمجھ شاگرد ان کی شدت تکلیف سے گھبرا کر لاہور کے کسی بڑے ڈاکٹر کو بلا لایا جسکی دس بارہ روپے فیس ہوتی تھی وہ جب اس کوٹھڑی کے سامنے اپنے تانگے سے اترا تو سمجھ گیا کہ یہ کسی فقیر منش انسان کا کلبہ احزان ہے مگر آدمی مخلص اور شریف تھا اس نے پوری توجہ کے ساتھ مولانا کا علاج اور تیمارداری کی، یہ لاہور میں مولانا کی زندگی کی ابتداء تھی، اور انتہا، یہ کہ جب دنیا سے تشریف لے گئے تو پاکستان میں ہزاروں لاکھوں آدمی ان کے معتقد تھے اور ان کے کمالات باطنی پر فریفتہ تھے، صحیح عقائد و اعمال پر مشتمل لاکھوں آدمیوں کا ایک حلقہ انہوں نے اپنے ورثہ کے طور پر چھوڑا، حضرت مولانا کی زیارت مجھے پہلی مرتبہ ۱۹۲۸ء کے انجمن خدام الدین کے اس جلسہ میں ہوئی جسمیں میرے والد محترم امام العصر حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری نور اللہ مرقدہٗ نے مجاہد اسلام مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاریؒ کو امیر شریعت بنایا اور حضرت کے ارشاد پر پانچ سو علماء صالحین نے شاہ بخاریؒ کے ہاتھ پر بیعت کی اور اس طرح صرف پنجاب میں ہی نہیں بلکہ پورے ہندوستان میں تحریک آزادی، تردید قادیانیت، اور اسلامی فکر و عمل کو سنبھالنے اور آگے بڑھانے کا جذبہ پیدا کیا اباجیؒ اسی موقعہ پر جہاد و عمل کے میدان میں کام کرنے والے افراد کی ایک پوری جماعت کو اپنے قریب لا چکے تھے یہی وہ جماعت تھی جس نے بعد میں مجلس احرار اسلام کے نام سے تشکیل پائی اور تقریباً تیس سال تک یہ جماعت ہندوستان کے زمین و آسمان میں غلغلہ آراء رہی انجمن خدام الدین کے یہ جلسے پنجاب میں صحیح مسلک

اور سچے دین کی تخم ریزی اور آبیاری کا ایک بہت بڑا ذریعہ تھے حضرت مولانا رحمۃ اللہ سالہا سال تک یہ جلسے کرتے رہے اور ان جلسوں کی خصوصیت یہ تھی کہ حضرت مولاناؒ اپنی کوشش اور ہمت مردانہ سے ہندوستان کے منتخب علماء و صلحاء کو ان جلسوں میں جمع فرماتے تھے"

حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ، مولانا حسین علی صاحب واں بھچراں، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، مفتی عزیز الرحمن عثمانیؒ، مولانا حبیب الرحمان عثمانیؒ، مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا مفتی کفایت اللہؒ، مولانا احمد سعید دہلویؒ، مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ"

ان جلسوں کے خاص مقررین ہوتے تھے"، یہ حضرات نہ صرف ان جلسوں میں بصیرت افروز اور دلوں کی دنیا کو تہہ و بالا کر دینے والی تقریریں فرماتے تھے بلکہ حضرت مولانا احمد علی صاحب اسکا بھی اہتمام فرمایا کرتے تھے کہ مسجد لائن سبحان خان اور لاہور کی دوسری بڑی مساجد میں ان حضرات کا قرآن کریم اور صحاح ستہ میں سے کسی کتاب کا درس بھی کرایا کرتے تھے، ان جلسوں اور مجالس درس میں لاہور اور پنجاب کے سینکڑوں اور ہزاروں علماء اور نو تعلیم یافتہ حضرات شریک ہوتے تھے یہی وہ درس ہوتے تھے جنکا ذکر کرتے ہوئے ہندوستان کے مشہور صحافی اور اہل قلم جناب عبدالمجید خاں سالک ایڈیٹر انقلاب نے اپنی کتاب سرگذشت و حکایت میں لکھا ہے کہ لاہور میں مولانا احمد علی کے زیر انتظام حضرت شاہ صاحب بخاری کا درس دے رہے تھے ان کے رفیق کار چوہدری غلام رسول مہر ایڈیٹر انقلاب نے سالک صاحب سے کہا کہ سالک صاحب چلئے حضرت شاہ صاحب کے درس میں حاضر ہوں ہمارے لئے یہ فخر کی بات ہوگی کہ ہم عصر حاضر کی ایک ایسی ہستی کے درس میں بیٹھیں، جسکی روح عشق محمدی اور تعلیمات نبوت کے فیضان خاص سے سرشار ہے چنانچہ یہ دونوں اصحاب بھی حضرت شاہ صاحب کے درس میں حاضر ہوئے

۱۹۲۸ء کے اس جلسہ میں میری عمر ۶، ۷ سال سے زیادہ نہیں تھی لیکن جب بھی غور کرتا ہوں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ جلسہ ابھی ہو رہا ہے اور اسٹیج پر سب حضرات علماء کرام کے ساتھ ڈاکٹر سر محمد اقبال، سر میاں محمد شفیع، سید محسن شاہ بیرسٹر، ڈاکٹر جلال الدین ڈینٹل سرجن، اور اس وقت کے نوجوان میاں امیر الدین چوہدری محمد حسین، سید حبیب ایڈیٹر سیاست، مولانا معراج حسین مجددی، مولانا اصغر علی روحی یہ سب حضرات تشریف فرما ہیں، حضرت مولانا احمد علی رحمہ اللہ کا پہلا نقشہ میرے ذہن میں یہ ہے کہ انہوں نے جب اپنے اور اپنے حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ کے خاص شاگرد مولانا عبدالحنان صاحب ہزارویؒ سابق ناظم جمعیۃ العلماء پنجاب کو اسٹیج پر اپنے ساتھ کھڑا کر کے اعلان فرمایا کہ اس جلسہ میں آنے والے مہمانوں کے قیام و طعام کا انتظام مولانا عبدالحنانؒ کے سپرد ہے، تمام مہمان کھانے کے ٹکٹ مولانا عبدالحنان صاحب سے حاصل فرما دیں گویا اس جلسہ میں مجھے پہلی دفعہ حضرت مولانا احمد علیؒ اور مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاریؒ کو دیکھنے کا موقعہ ملا، سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اسوقت جوان تھے اور ان کی شخصیت مردانہ حسن و جاہت کا ایک دلکش نمونہ تھی، سید صاحب نے سرخ رنگ کی قمیص پہنی ہوئی تھی، سفید لنگی، سر پر چوگوشہ ٹوپی ہاتھ میں موٹا سا ڈنڈا، اباجی جب کبھی جلسہ میں تشریف لاتے تو شاہ بخاریؒ، مولانا حبیب الرحمٰنؒ لدھیانوی مولانا عبدالحنانؒ ہزاروی، مولانا عبدالعزیز صاحب [illegible] آگے آگے ہوتے اور بڑی متانت و سنجیدگی کے ساتھ مجمع سے اباجیؒ کے گذرنے کا راستہ بناتے تھے"

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اباجی رحمۃ اللہ علیہ اپنے لئے مجمع میں اس طرح راستہ بنانے کو ناپسند فرماتے تھے اور ان حضرات سے فرماتے کہ اس اہتمام و انتظام کی ضرورت نہیں میں خود مجمع میں پہنچکر اپنے لئے راستہ بنا لونگا مگر یہ حضرات نہیں مانتے تھے اور اباجی کے تشریف لانے پر اس کا اہتمام کرتے تھے،

پچھلی یادوں کی دنیا بڑی دل فریب اور تکلیف دہ ہوتی ہے جو بزرگ گذشتہ اٹھاون برس کی میری زندگی میں میرے سرپرست اور محسن رہے اور جنکی شہرتوں اور مجلسوں میں میرا وقت گذرا ہے آج ان کو عالم تصور میں میں اپنے سامنے چلتا پھرتا اور ہنستا بولتا دیکھ رہا ہوں، تصور اس پچھلی زندگی کی جو تصویریں میرے سامنے پیش کرتا ہے انہیں دیکھنے سے میں آنکھیں چراتا ہوں اس لئے کہ دو چار منٹ اگر پچھلی یادوں کی دنیا میں کھو بھی جاتا ہوں تو پھر مجھے موجودہ معصیت آلود زندگی کے خرابے میں واپس آنا پڑتا ہے، یہاں نیتوں کا کھوٹ، طبائع کا زیغ، دماغوں کا فساد نگاہوں کی آوارگی، فکر و نظر کی خام کاری، کے غل غپاڑے اور شور شرابے کے سوا مجھے اور کوئی چیز نہیں ملتی"

"یاد ماضی عذاب ہے یارب"
"چھین لے مجھ سے حافظہ میرا"

زندگی کا کارواں آگے بڑھ رہا ہے زندگی کے نقشے بن رہے ہیں اور مٹ رہے ہیں"، سنہ ۱۹۳۰ء میں دیوبند میں اباجیؒ کا انتقال ہوتا ہے، حضرت مولانا احمد علی صاحبؒ، سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاریؒ

مولانا حبیب الرحمٰنؒ لدھیانوی، مولانا ظفر علیخانؒ مولانا کریم بخش صاحبؒ، مولانا عبدالعزیزؒ گوجرانوالہ مولانا نجم الدینؒ صاحب پروفیسر اورینٹل کالج، مولانا نورالحق علویؒ پروفیسر اورینٹل کالج، حضرت مولانا محمد زکریا صاحب لدھیانوی رح، حضرت مولانا مفتی محمد نعیم صاحب لدھیانوی رح، حضرت مولانا لال حسینؒ اختر، مولوی اختر علی صاحب ایڈیٹر زمیندار، آغائے مرتضیٰ احمد خان میکش، اور خبر نہیں کتنے ہزار افراد پنجاب کے ہر ہر شہر سے چل کر ہمارے گھر تعزیت کے لئے آتے ہیں محلہ خانقاہ کے ایک گوشہ میں ہمارا ایک چھوٹا سا مکان ہے، سامنے اباجیؒ کی وہ مسجد ہے جس کے صحن میں اباجی اور سینکڑوں علماء کے سجدوں کے نشانات ہیں، ارد گرد لمبا چوڑا میدان اور مکان کی پشت پر جنگل بیابان، ہزاروں کا یہ مجمع ہفتوں تک اسی بے رونق محلہ اور جنگل میں پڑا رہتا ہے اباجی کے انتقال کے بعد ان کے، شاگردوں، تلامذہ کرام، اور معتقدین نے اپنی محبت، عقیدت، اور ارادت کا پورا پورا حق ادا کیا،،

مخدومہ و محترمہ والدہ صاحبہ چھوٹے بھائیوں بہن وغیرہ کی اس طرح خبر گیری اور خدمت کی کہ زندگی کے کسی مرحلے پر مجھے یاد نہیں پڑتا کہ میں نے اور میرے گھر والوں نے کوئی قابل ذکر تکلیف اٹھائی ہو میری زندگی ہمیشہ آزادانہ اور بیباکانہ رہی علماء کے ساتھ رہا علماء کی مجلس میں بیٹھا، علماء کے ساتھ کام کئے مگر صورت و سیرت کبھی عالمانہ نہیں بنا سکا، لیکن میری اس بدعملی اور بدنصیبی کے باوجود اور تمام بزرگوں طرح حضرت مولانا احمد علیؒ بھی ہمیشہ میری طرف متوجہ اور میرے لئے سراپا شفقت بنے رہے،،

تقسیم سے پہلے تک اماں بی مخدومہ کو ہمیشہ سال چھ مہینے تک وہ ایک معقول رقم عطیہ اور ہدیہ کے طور پر بھیجا کرتے تھے، میں جب کبھی لاہور گیا تو حضرت مولانا نے اس کا التزام رکھا کہ جو کچھ ان کی جیب میں ہوتا تھا وہ سب کا سب نکال کر مجھے دیدیتے تھے، میں لاہور میں اپنی قیامگاہ سے پیدل چل کر اگر مولانا کی خدمت میں حاضر ہوتا، تو مولانا مجھے کبھی پیدل واپس نہ فرماتے اور ہمیشہ مسجد کے دروازے پر تشریف لاکر خود تانگہ کو بلاتے اور مجھے تانگے میں بٹھاتے،،

یہاں مجھے برادر معظم مولانا حافظ حبیب اللہ صاحب لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ذکر کرنا ہے جو حضرت مولانا احمد علیؒ کے بڑے فرزند تھے یہ بہت متین، خاموش، شریف الطبع، اور یکسو قسم کے آدمی تھے، بلکہ کہنا چاہئے کہ مجذوب بھی تھے، اور سالک بھی، اباجی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ۳۳ء میں انتقال میں سے یہ سال دو سال پہلے دارالعلوم دیوبند میں پڑھنے کے لئے آئے تھے ان کے ساتھ ایک نوجوان جس کا نام نوراالٰہی تھا۔ اباجیؒ جب دیوبند تشریف فرما ہوتے، تو بھائی حبیب اللہ اکثر وقت اباجی کی صحبت میں گذارتے، اباجیؒ بھی ان پر خاص شفقت فرماتے، چیزیں منگا کر انہیں دیتے، اور ان کا حال احوال دریافت فرماتے، بھائی حبیب اللہ صاحب کا یہ واقعہ خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ اباجی رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال سے صرف چار پانچ روز پہلے ایک دفعہ شب میں ۱۰ ر ۱۱ کے درمیان بھائی حبیب اللہؒ صاحب ہمارے گھر آئے، باہر مردانہ میں مہمان تھے، اباجیؒ کی عادت تھی کہ وہ رات کو سونے سے پہلے ایکدفعہ مہمانوں کے پاس تشریف لیجاتے اور خود ان سے دریافت فرماتے تھے کہ کوئی ضرورت تو نہیں؟ کوئی تکلیف تو نہیں، رات کو جب بھی اباجی باہر جانے کا ارادہ فرماتے تو میری اماں جی مجھے حکم فرماتیں کہ لالٹین لیکر حضرت شاہ صاحب کے ساتھ جاؤ، کہ اندھیرے میں انہیں باہر جانے کی زحمت نہ ہو، یہ رات کو لالٹین لیکر باہر جانے اور واپسی پر مکان کے اندرون حصہ کا دروازہ بند کرنا میری ڈیوٹی تھی، اباجیؒ مہمانوں سے دریافت حال فرما کر دروازہ میں آچکے تھے اور میں دروازہ بند کر کے کنڈی لگانا چاہتا تھا کہ باہر سے کسی نے دروازہ تھپتھپایا، اباجیؒ نے فرمایا کہ دروازہ کھولو، دیکھو کون ہے، دروازہ کھولا تو بھائی حبیب اللہؒ سفید براق کپڑے پہنے ہوئے کھڑے ہیں اباجیؒ انہیں رات کے اس وقت دیکھ کر متحیر ہوئے انہیں خیال ہوا کہ شاید انہیں کوئی تکلیف اور ضرورت پیش آئی ہے،،

اباجیؒ نے کسی قدر اصرار کے ساتھ بھائی حبیب اللہ کیوں بھائی اس وقت کیوں آئے ہو، کیا بات ہے بھائی حبیب اللہ صاحب کچھ خاموش رہے، اور دوبارہ اباجیؒ کے پوچھنے پر کہنے لگے کہ حضرت چند دن ہوئے میں نے ایک خواب دیکھا ہے جس سے میری طبیعت بہت پریشان ہے، اباجیؒ نے پوچھا کیا خواب ہے تو بھائی حبیب اللہ صاحبؒ نے بیان کیا کہ خواب یہ ہے کہ رات کا وقت ہے میں آسمان کی طرف دیکھ رہا ہوں تو وہاں مجھے بہت سے ستارے روشن نظر آتے ہیں مگر ان سب ستاروں کی روشنی مدہم ہے درمیان میں ایک ستارہ ہے جو بہت روشن اور تابناک ہے میں اس روشن ستارے کو دیکھ رہا ہوں، اور تعجب کر رہا ہوں کہ یہ اتنا روشن کیوں ہے، میں ابھی دیکھ ہی رہا تھا کہ وہ روشن ستارہ مٹ گیا اور اسکے ٹوٹے ہوئے ٹکڑے فضائے آسمانی میں بکھر گئے،

بھائی حبیب اللہ نے خواب بیان کر کے اباجی سے پوچھا حضرت اسکی تعبیر کیا ہو سکتی ہے،

اباجی کچھ دیر خاموش رہے اور اسکے بعد فرمایا، کہ یہ اس دور کے کسی محدث کی وفات کی خبر ہے جو چند دن میں ہی انتقال کرنے والا ہے، میری عمر اس وقت بارہ سال تھی، میں بالکل نہیں سمجھ سکا کہ اباجیؒ کیا فرما رہے ہیں اور ان کا اشارہ کس طرف ہے،، مولانا حبیب اللہ صاحب کے اس خواب سے چند روز ہی بعد اباجیؒ کا انتقال ہوا مولانا حبیب اللہ صاحبؒ لاہوری سے بعد میں لاہور اور دیوبند میں ملاقاتیں رہیں، بعد میں وہ حجاز تشریف لے گئے تھے اور بڑی یکسوئی قلب، تقویٰ اور دینداری کے ساتھ انہوں نے اپنا عرصۂ حیات حجاز گذارا وہیں انتقال فرمایا اور وہیں مدفون ہوئے، مولانا حبیب اللہ صاحب جوانی کی عمر میں ہی حجاز تشریف لے گئے اور جہاں تک میرا خیال ہے انہوں نے شادی بھی نہیں کی تھی مولانا حبیب اللہ صاحب کے قیام حجاز پر مجھے اختر شیرانی کا ایک شعر یاد آتا ہے ؎

،،مدینے جاتے ہیں پیری میں لوگ سب اختر،،
،،مزہ ہے کاٹ دو عمر جواں مدینہ میں،،

میں ۱۹۴۱ء ۱۹۴۲ء میں لاہور رہا، اسکی بڑی وجہ تو یہ تھی کہ میری والدہ صاحبہ مرحومہ بیمار تھیں مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ نے لدھیانہ بلاکر عرصہ تک ان کا علاج کیا مگر صحت نہ ہوئی بعض احباب کے مشورہ سے لاہور پہنچایا، فیض باغ لاہور میں ایک کشمیری دوست ہوتے تھے انہوں نے اپنے وسیع مکان کا بالائی حصہ ہمارے قیام کیلئے دیا، لاہور میں ہومیوپیتھک کے ایک مشہور ڈاکٹر مسعود قریشی، انہوں نے بڑی توجہ کے ساتھ اماں جی کا علاج کیا، علاج کے سلسلہ میں اماں جی تو دو چار مہینہ لاہور رہیں، مگر میں سال ڈیڑھ سال تک لاہور کے چکر کاٹتا رہا، کبھی مولانا احمد علیؒ صاحب، مولانا کریم بخش صاحبؒ، مولانا نجم الدین صاحبؒ، مولانا عبدالحنان صاحب کی عالمانہ مجلسوں میں پہونچتا، کبھی اختر شیرانی مولانا تاجور نجیب آبادی، احسان دانش، سے میل ملاقات رہتی، ،،احسان،، اس زمانہ لاہور میں ایک معیاری روزنامہ تھا، مرتضیٰ احمد خان میکش اسکے ایڈیٹر تھے، چراغ حسن حسرت، حاجی لق لق، عطاءالرحمٰن سجاد، دلبر حسن متھورا اسکے ادارہ تحریر میں تھے، ادھر مولانا ظفر علیخاں کا ،،زمیندار،، آب و تاب کے ساتھ جاری تھا، وہاں ملک نصراللہ خاں عزیز چیف ایڈیٹر تھے، سید اظہر حسین زیدی، ظہور احمد چشتی وغیرہ ان کے شرکاء ادارت تھے، امرت دھارا بلڈنگ کے قریب شمس العلماء مولوی ممتاز علی صاحب دیوبندی مرحوم کا مکان، پریس اور رسالوں کے دفتر تھا ان کے بالکل قریب روزنامہ ،،انقلاب،، کا دفتر تھا، میں ان سب لوگوں سے ملتا جلتا اور سب اخبارات میں مضامین لکھتا تھا۔ میرے ایک دوست شیخ اعجاز الدین، خان بہادر محمد نقی صاحب (انارکلی لاہور) کے فرزند تھے انہوں نے تجویز کی کہ لاہور سے ایک ہفتہ وار اخبار نکالا جائے ،، اجتماع ،، نام تجویز ہوا، احقر اس کا ایڈیٹر بنا، مولانا محمد عثمان فارقلیط ایڈیٹر الجمیعۃ، اس زمانہ میں ،،زمزم،، لاہور کے ایڈیٹر تھے، انہوں نے خاص طور پر ہماری سرپرستی کی، پیسہ اخبار سٹریٹ کے قریب چنگڑ محلہ میں ہماری قیامگاہ اور دفتر تھا، آغا شورش کاشمیریؒ کا مکان بھی قریب تھا، چائے کے ایک ہوٹل میں گاہ بگاہ ان سے بھی ملاقاتیں ہوتی تھیں، آغا شورش نے خود مجھ سے ایک واقعہ بیان کیا کہ میرے والد مرحوم ایک دن صبح کی نماز سے قبل آسٹریلیا بلڈنگ کی مسجد میں مجھے لیگئے تھے، جہاں اس وقت حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے نماز پڑھائی تھی میرے والد صاحب نے حضرت سے میرے لئے دعا کرائی اور حضرت نے میرے سر پر ہاتھ رکھا،،

اخبار اجتماع کی حالت امید افزا تھی، مگر مجھ پر لڑکپن پوری طرح مسلط تھا، جو سات مہینے اخبار کا کام کر کے دل گھبرا گیا، ادھر اماں جی نے بھی دیوبند سے خطوط اور تاروں کی قطار لگادی حضرت مولانا احمد علی صاحبؒ لاہوری میرے قیام کو غائر نظر سے دیکھتے تھے، انہوں نے محسوس کیا کہ میں لاہور میں ادب و صحافت کے میدان میں رہا تو میری زندگی کی ڈگر بدل جائیگی، چنانچہ انہوں نے بھی میرے پاؤں اکھاڑے، بار بار نصیحت فرمائی کہ میں دیوبند واپس جاؤں اور ۴۲ء میں جب پورا ملک گاندھی جی کی تحریک کوئٹ انڈیا کے شعلوں میں لپٹا ہوا تھا میں دیوبند واپس آگیا،،

حضرت مولانا احمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے نیازمندانہ تعلقات کی داستان بہت طویل ہے میں کہاں تک اسے بیان کروں، مجھے تو مولاناؒ کی زندگی کی بس ایک یہی خصوصیت سب سے بڑی خصوصیت نظر آتی ہے کہ انہوں نے لاہور میں اپنا حلقہ درس قائم فرمایا، درس قرآن میں سینکڑوں افراد، کالجوں کے پروفیسر اخبارات کے ایڈیٹر، وکیل، بیرسٹر، علماء، طلباء سب شامل ہوتے تھے، مولاناؒ کسی مذہب اور مسلک پر براہ راست معاندانہ اور مخالفانہ حملہ نہیں کرتے تھے بلکہ ان کا طرز کلام نصیحت آموز، اور حقیقت افروز ہوتا تھا، وہ اپنے مسلکِ حق کو اتنی خوبصورتی اور گہرائی کے ساتھ پیش فرماتے تھے کہ مخاطب کا ذہن خود اپنے اور مولانا کے مسلک کے تقابلی مطالعہ پر مائل ہوتا، آہستہ اس پر اپنے مسلک کی خامیوں اور مولانا کے پیغام کی پختہ کاری کا انکشاف ہوتا، اور وہ بغیر کسی

قیل وقال اور بحث کے مسلک حقہ کو قبول کر لیتا تھا مولانا مخالفانہ اعتراض والزام سے غیر مسلک کے لوگوں کو اپنے سے کاٹ دینے کے خوگر نہیں تھے بلکہ ان کے ہتھیار علم وتحقیق اور موعظت ونصیحت ہوتے تھے، انہی ہتھیاروں سے وہ دوسروں کے دلوں کو جیتا کرتے تھے، یہاں مجھے ایک اور واقعہ یاد آیا دار العلوم کے دفتر اہتمام میں ایک روز میں اور برادر عزیز مولانا انظر شاہ کشمیری، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، ناظم جمعیتہ علماء ہند سے بات کر رہے تھے مولاناؒ قالین پر لیٹے ہوئے تھے کمر کے نیچے بڑا سا تکیہ تھا، انظر سلمہ مولانا سے بہت بے تکلف تھے ان کبھی کبھی ان کے سامنے کہہ دیتے تھے اور ان سے اپنی باتیں منوا لیتے تھے،

ہم دونوں بھائی مسلمانوں کے ایک خاص طبقہ کے متعلق مولیناؒ کی رائے کو شدید بنانا چاہتے تھے اور یہ چاہتے تھے کہ اس طبقہ کے متعلق الجمعیتہ میں بھی نکتہ چینی ہو، مولانا نے کہا کہ بھائی میں قینچی نہیں ہوں، کہ لمبے چوڑے کسی کپڑے کے ٹکڑے ٹکڑے اور دھجیاں دھجیاں کر دوں، میں تو درزی کی سوئی ہوں پارہ پارہ شدہ کپڑے کو سی سلا کر اسے کار آمد بنانا میرا کام ہے"

تو حضرت مولانا احمد علی صاحبؒ کی دینی اور تبلیغی زندگی کی بنیاد بھی یہی نظریہ تھا اور مولانا نے اسی سطح پر کام کر کے مختلف نظریوں اور مختلف عقیدوں کے ہزاروں مسلمانوں کو اپنے ارد گرد اکٹھا کیا اور انہیں ایک پاکیزہ مسلک پر جمع کر گئے"

حضرت مولانا کا درس اپنی ایک الگ شان رکھتا تھا، درس قرآن میں انہوں نے ربط آیات پر خاص زور دیا، اور شاہ عبد القادر صاحب کے ترجمہ کو سامنے رکھ کر قرآن کریم کی تفہیم کو علماء اور عوام کے لئے آسان بنایا، درس قرآن میں ان کے ہزاروں شاگرد ہیں، اور سب تفسیر قرآن میں ایک خاص مقام رکھتے ہیں، تقسیم ملک سے پہلے یوپی اور گجرات کے مدارس اسلامیہ کے طلباء بھی رمضان کی تعطیلات میں لاہور پہنچکر حضرت مولانا کے سامنے زانوئے تلمذ کرتے تھے، سید ابو الحسن علی الندوی، مولانا صبغتہ اللہ بختیاری، مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم کے برادر عزیز مولانا محمد طاہر صاحبؒ ان کے اس زمانہ کے مستفیدین میں سے ہیں"

قرآن کریم کی جو خدمت مولانا نے اپنے درس اور تحریر کے ذریعہ فرمائی اس پر سیر حاصل تبصرہ کرنے کے لئے ایک مستقل مضمون کی ضرورت ہے"

مگر میں اسکے اجمالی ذکر کے بعد مختصر سا ذکر مولانا کے ان تبلیغی اور دینی رسائل کا بھی کرنا چاہتا ہوں، جو رسوم وبدعاتِ مروجہ، عقائد باطلہ اور فرق ضالہ کی مناسب اور مستحکم تردید اور صحیح عقائد کے تعارف اور پر انہوں نے بڑی سادہ زبان میں تحریر فرمائے اور بہترین کتابت وطباعت کے ساتھ انجمن خدام الدین نے انہیں لاکھوں کی تعداد میں چھاپا اور مفت تقسیم کیا، مولانا کی تحریر انشاء پردازی کے تکلفات سے بری اور حشو وزوائد سے پاک تھی اور ایک ایسے مصروف اور باعمل آدمی کو تحریر کی زیبائش وآرائش، عبارت آرائی اور رنگین بیانی کی فرصت بھی نہیں مل سکتی، لیکن ان رسائل وتحریرات میں مولانا کا ایمانِ کامل، تقویٰ، طہارت، اخلاص وللہیت اور انابت الی اللہ کا ایک نور جھلکتا ہے اور اپنے وقت میں ان رسائل نے بڑا کام کیا ہے،

مولینا کے متعلق میری یہ بے ربط اور بے مغز تحریر میرے اندازہ سے زیادہ بڑھ گئی"

"لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم"

"چنانکہ حرف عصا گفت موسیٰ اندر طور"

میں اس تحریر کا اختتام ایک لطیفہ پر کر رہا ہوں لطیفہ یہ کہ ابھی چند دن ہوئے دفتر رسالہ دار العلوم دیوبند میں دوستوں کی ایک بے تکلف مجلس تھی میرے محترم بھائی مولوی قاری محمد لقمان صاحب ابن حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب سابق صدر المدرسین دار العلوم نے جو قرآن کریم کے حفظ سے لیکر آج تک ہر مرحلہ زندگی میں میرے ساتھی ہیں، کہا کہ شاہ جی تم بھی اپنے وقت کی ایک خاص چیز ہو، تم رہو گے تو دوستوں کو بہت یاد آؤ گے اور تمہارے دوست نہیں بلکہ دشمن بھی تمہیں یاد کریں گے، میں نے کہا کہ بھائی، مجھے آپ حضرات سے اس نیک عمل کی امید نہیں اور میرا استدلال حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس واقعہ سے تھا کہ ان کے زمانہ خلافت میں کسی شخص نے بدنظمی اور امور خلافت میں ابتری کی شکایت کی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ کی تعریف کی، حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میرے زمانہ کی بدنظمی کی وجہ یہ ہے کہ آپ جیسے حضرات میرے مشیر ہیں اور حضرت عمرؓ کی کامیابی کا سبب یہ تھا کہ ان کے مشیر ہم جیسے لوگ تھے میں نے دوستوں سے کہا کہ ہم نے اپنے بزرگوں کو یاد رکھا تو اس میں ہماری بھی کوئی بات ہے، اور آپکو کیا اچھائی برائی کی تمیز اور گذر جانے والے قافلہ حیات کے نقش پا سے کیا دلچسپی"

خیر یہ تو ایک لطیفہ کی بات ہے، حقیقت تو یہ ہے کہ سب حضرات اپنے اپنے وقت میں دین کا ستون، اخلاق عالیہ کا نمونہ، اور کمالات باطنیہ کے بدر منیر تھے، یہ ان پر کوئی احسان نہیں بلکہ اپنے ساتھ نیک سلوک ہے کہ ان کی یاد بھلا وقت ان کے ذکر واذکار میں کوئی لمحہ"

جبلِ نور

ریاض، سعودی عرب

از عبد الرحمٰن عبد

اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک نقش پا ثبت ہیں

کوہِ بے مثال

وہ سامنے جبل نور ہے جس پر غار حرا ہے ہمارے مصری استاد منیر صاحب نے بتایا اسوقت ہم جامعہ ریاض کے طلبہ جدہ سے مکہ معظمہ جا رہے تھے اور جامعہ ملک عبد العزیز کی حافلہ رواں دواں تھی، سڑک کے دونوں جانب پہاڑ تھے، عمرہ کیلئے احرام میں ملبوس سب حضرات کی مشتاق نگاہیں حافلہ سے باہر دائیں جانب اٹھ گئیں"

ہم نے ایک عام سا پہاڑ دیکھا جو دامن میں کچھ پھیلاؤ رکھتا تھا، پھر اس کے بعد قریباً سیدھا اوپر کو اٹھتا چلا گیا ہے، تاہم چوٹی نوکیلی اور تیز نہیں ہے سارا پہاڑ پتھریلا ہے، پتھر ہی پتھر، بے آب وگیاہ، نہ کوئی بوٹا، نہ کوئی چرند پرند، بنجر سنسان اور ویران، نہ راستہ نہ راستے کا نشان بالکل عام سا معمولی پہاڑ، جیسے ہزاروں بلکہ لاکھوں پہاڑ دنیا میں موجود ہوں

لیکن نہیں، یہ بات صحیح نہیں ہے دنیا میں ایک بھی تو پہاڑ اس جیسا نہیں ہے، یہ تو پورے عالم آب وگل میں بے مثل ہے، یہ تو وہ پہاڑ ہے جسکی رہ گذر پر سید المرسلین نے اپنے نقش پا سے قدم قدم پھول کھلائے، جس پر گلستانِ رحمت کی تشکیل میں غار حرا ہے، یہاں آنحضورؐ نے رسالت پانے سے پہلے عبادت کی جس کی مہک اس کوہ ودمن کی فضاؤں میں چار سو پھیلی ہوئی ہے، یہاں حضور اقدسؐ نے راز حیات اور حقیقت کائنات معلوم کرنے کی کوشش کی، بالآخر تاریخ انسانیت کے عظیم اور مکمل ترین ڈرامے کا پردہ اٹھا، توہمات اور جہالت کی شب ختم ہوئی علم اور نور نبوت کا آفتاب جلوہ فگن ہوا حقیقت ازلی نے اشاؒ کیا، اور فلک الافلاک کے پردوں کو چیرتے ہوئے روح الامین نے اس معمولی سے پہاڑ کی چوٹی کا رخ کیا، اور صداقت کے لئے سرگرداں، صادق وامین ہستی سے کہا"

"پڑھو اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا"

اس لمحے سے انسانیت کے لئے گویا توہمات اور جہالت کی بساط لپیٹ دی گئی، اور علم وعرفان تحقیق وجستجو، اور تہذیب وتمدن کا دروازہ کھول دیا گیا، انسان کو فرشتوں سے برتر اور بعد از خدا بزرگ کے اپنے ارفع مقام کی معرفت حاصل ہوئی، خالق اور کائنات، روح اور جسم، راحت اور رنج، حیات اور ممات، خسران اور نجات اور حیات ابدی کے اسرار ورموز سے آگاہی حاصل ہوئی"

محبت کی منزلیں

اس تاریخ ساز واقعہ نے اس معمولی سے پہاڑ کو، کوہِ بے مثال، بنا دیا ہے،

دوسرے روز سورج ڈھلنے کے بعد ہم دنیا کے اس یکتا ویگانہ پہاڑ کو دیکھنے کیلئے چلے، مکہ سے طائف کو جانے والی سڑک پر شہر سے تھوڑا سا دور آئے تھے کہ ڈرائیور نے اس پہاڑ کے قریب آکر پک اپ کو سڑک کے بائیں جانب موڑ لیا اور قریباً دو فرلانگ چلنے کے بعد دامن کوہ میں گیا، سب ساتھی اتر آئے اور چند منٹوں بعد ہمارے قافلے نے کوہ پیمائی شروع کی، یہ عام کوہ پیمائی نہیں تھی، یہ علم اور جذبے، تحقیق اور محبت، وارفتگی اور حب رسول کی کوہ پیمائی تھی، غیاب وجستجو اور حضور واضطراب کی کوہ پیمائی تھی، ہم نے لڑکپن میں پڑھا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب چالیس سال کے ہوئے تو چند دنوں کا زاد راہ لیکر اس پہاڑ پر آئے تھے، اور اس کے غار میں غور وفکر، تدبر وتفکر، اور عبادت فرماتے تھے یہیں ایک روز اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ فرشتے جبرئیل امین نمودار ہوئے اور حضورؐ پر سب سے پہلی وحی نازل ہوئی، جس سے باری تعالیٰ نے حضور کو اپنا نبی کے پیامبر منتخب کیا، انہیں اپنے کلام مجید کا مرسل الیہ بنایا تھا اور انہیں نبی آخر الزمان مبعوث کیا تھا،

اس مطالعے کی وجہ سے اس کوہ بے مثال کی ایک سہانی یاد عرصہ دراز سے ہمارے دلوں میں مکین تھی، پاکستان میں سوچا کرتے تھے کہ قدرت نے بیت اللہ شریف اور دیارِ حبیبؐ کی زیارت کی سعادت سے بہرہ ور فرمایا تو جبل نور کو دیکھنے کے لئے ضرور جائینگے، جو دیدہ موہر میں بے شک کوہستان ہے لیکن اس کی آغوش کو مسکن ختم الرسل بننے کا شرف لازوال حاصل ہے"، یہاں مکے سے چشم بینا کا مالک ایک شریف النفس انسان محمد بن عبد اللہ نور حقیقت

کی آرزو لیکر آیا - اور ابد تک آنیوالی انسانیت کے لئے محمد رسول اللہ بن کر اترا، روشنی کا طالب روشنی سراپا ہو کر اترا۔ اس عظیم واقعہ کی وجہ سے اس پہاڑ پر ایک غیر مرئی سا نور ہر وقت برستا رہتا ہے،،

چونکہ جبل نور باقی سمتوں سے قریباً عمودی زاویئے سے اوپر جاتا ہے اس لئے صرف مشرقی سمت سے اس پر جانے کا راستہ بنتا ہے، اس لئے غالب امکان یہی ہے کہ حضورؐ بھی اسی راستے سے اوپر جایا کرتے ہونگے عین ممکن ہے کہ ہمیں اس جگہ پاؤں رکھنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہو، جہاں جہاں حضورؐ نے نبوت پر سرفراز ہونے کے سفر میں اپنا قدم مبارک رکھا تھا، اس احساس نے ہمارے جذبات میں ہلچل پیدا کر دی اور فرط طرب میں ہمارے قدم تیز تیز اٹھنے لگے، جذب اندرون ہمیں کشاں کشاں اوپر لئے جا رہا تھا ہمارے گروپ کے لیڈر انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور کے پروفیسر محمد رفیق کلیم اور دوسرے ساتھی محبت کی منزلیں طے کئے جا رہے تھے، یہ کوئی باقاعدہ راستہ نہیں اور نہ اوپر کوئی آبادی ہے جس کی وجہ سے یہ عام گزرگاہ ہو تاہم پتھروں کے درمیان راستے کا نشان ضرور ہے،،

شاہراہ دہر کا سنگ میل

آج سے نصف صدی قبل مصر سے " حیات محمدؐ " کے جلیل القدر مصنف (۱۹۳۳ء) کے لگ بھگ حج کے لئے آئے تو وہ ان مقامات پر گئے جہاں جہاں حضورؐ اپنی حیات طیبہ میں تشریف لے گئے تھے، پھر محمد حسین ہیکل نے "فی منزل الوحی" کے نام سے اپنی سیاحت کے مفصل تاثرات قلمبند کئے جس سے عقیدت کا چراغاں کر دیا، اس کتاب کا ذکر ایک روز کلاس میں ڈاکٹر عبدالحمید شلقانی صاحب نے کیا تھا۔ ہیکل نے بھی غار حرا کی زیارت کے لئے یہی راستہ اختیار کیا وہ لکھتے ہیں،،

" حرا پر میری نظر پڑی تو وہیں کی ہو کر رہ گئی میرے احساسات نے انگڑائی لی یہ پہاڑ انسان کے ہاتھوں بنائے ہوئے ستون کی طرح قریباً سیدھا چلا گیا ہے اردگرد کے دسیوں پہاڑ ایک دوسرے سے منسلک اور کسی سلسلے میں مربوط ہیں جن کے درمیان یہ یکہ و تنہا پہاڑ دوسروں سے منفرد ہے اور مخروطی شکل میں آسمان کی پہنائیوں میں چلا گیا ہے ! اور اس پر ایک عجیب سی تنہائی سایہ فگن ہے، گویا دنیا کی محفلوں سے اکتا کر اور ترک آلائش دنیاوی کے بعد ایک زاہد اعتکاف میں بیٹھا ہوا ہے، یہ پہاڑ آج بھی اسی طرح قائم و دائم ہے جس طرح آج سے چودہ صدیوں پہلے تھا یوں لگتا ہے وقت کی رفتار یہاں آکر تھم گئی ہے اس میں کچھ پیدا نہیں دیرینہ روزی کے نشان اور یہ جواں ہے گردش شام و سحر کے درمیان اس کی چوٹی پر وہ حیرت ناک اور اعجاز آفریں واقعہ پیش آیا تھا جسے تقدیر نے کلک ازل سے اس کے مقسوم میں لکھ دیا تھا، اس واقعے کی بناء پر شاہراہ دہر کے کنارے یہ پہاڑ ایک سنگ میل کی طرح گڑا ہوا ہے"

میرے ساتھی رفعت کی تمنا میں بہت آگے نکل گئے تھے، منڈی بہاؤالدین کے پروفیسر حسام الدین صاحب تو، "لمبیاں لاہنگاں" بھرتے ہوئے نظروں سے اوجھل ہو چکے تھے کوہ نوردی میں اب میرے ساتھ قیصر نامی ایک نوجوان تھا جو پاکستانی ہے لیکن کافی عرصہ سے مکہ میں مقیم ہے اس نے عربوں والا لمبا سفید چغہ پہن رکھا تھا جسے یہاں ثوب کہتے ہیں اور ہم پاکستانی ازراہ تفنن "توپ" کہتے ہیں دراصل یہ عربی کا لفظ، ثوب (کپڑا) ہے، عربوں کی موجودہ نسل ث، کو ت، بولتی ہے چنانچہ وہ ثلاثة تین، کو تلاتہ اور ثمانیہ (آٹھ) کو تمانیہ کہتے ہیں شروع میں ان سے "تانی، تبوت، تریا" سن کر ہم انگشت بدنداں ہوتے تھے کہ یہ کیا کہہ رہے ہیں پھر کچھ عرصہ بعد یہ بھید کھلتا ہے کہ تابوت اور توریوں کا ذکر نہیں ہے، یہ ثانی، ثبوت، ثریا، کہہ رہے ہیں"

جاگتی آنکھوں کا خواب

قریباً نصف فاصلہ طے کرنے کے بعد جبل نور یکدم کمر سیدھی کرتا اور سیدھا کھڑا ہو جاتا ہے اس کی آسان اور سہل چڑھائی یکدم ستر اور اسی درجے کے زاویئے پر قریباً عمودی ہو جاتی ہے راستے کا عمود توڑنے اور اسے قابل گذر بنانے کے لئے راستے کو دائیں بائیں بار بار موڑا گیا ہے اوپر چوٹی پر نظر پڑتی ہے جہاں کالے رنگ کے کپڑے کی ایک جھنڈی ہوا میں پھڑپھڑا رہی ہے لوٹنے والے زائرین ہمارے قریب آ جاتے ہیں ایک کے پاس پانی کی بوتل ہے، یہ قدیم زمانے والی پانی کی چھاگل نہیں ہے بلکہ پتلے سے پلاسٹک کی بوتل ہے، جس کے اوپر "الصحہ" لکھا ہوا ہے وہ ہماری پیاس کا اندازہ کر کے باقی پانی ہمیں دے دیتا ہے ہم بھی کس زمانے اور کیسی سرزمین میں ہیں جہاں پٹرول سستا اور پانی مہنگا ہے پانی کی یہ بوتل دو ریال میں ملتی ہے جبکہ ایسی چھ بوتلوں کے برابر ایک گیلن پٹرول ایک ریال میں ملتا ہے اس کے قطعی برعکس پاکستان میں پانی ......

پیاس بجھانے اور سستانے کے لئے ہم ایک جانب بیٹھ جاتے ہیں شام کی ہلکی خنک ہوا کے جھونکے آتے ہیں ان میں کیف آور مہک ہے جو میرے خیالوں کے لئے مہمیز ثابت ہوتی ہے خیالات فیل بے زنجیر کی صورت اڑے چلے جا رہے ہیں اور گرفت میں نہیں ہیں، راہوار تخیل ایک جست میں ہمیں پہلے کے زمان و مکان میں لے گیا ہے گویا ٹائم ٹنل کے ذریعے۔ چودہ سو سال قبل کے جبل نور پر، میں اس جگہ بیٹھا ہوں اور اس ہستی پرنور کو اپنی گنہگار آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں جسے دیکھنے کی تمنا ہر کلمہ گو کے دل میں چٹکیاں لیتی ہے میں جاگتی آنکھوں سے گویا خواب دیکھ رہا ہوں کہ پوری کائنات دم سادھے ہے جیسے اس کی نگاہیں پردہ اٹھنے کی منتظر ہوں گویا دنیا کا عظیم ڈرامہ سٹیج ہونے لگا ہے، سارا عالم مہر بلب ہے، کوہسار پر ایسا سکوت طاری ہے جس پر تقریر بھی فدا ہو، پورا جبل نور دریائے خاموشی میں غوطہ زن ہے پتھروں پر بھی گویا تفکر کا سماں چھایا ہوا ہے سانس روکے سارا جہاں کسی کی آمد آمد کا منتظر ہے بالآخر منتظر آ گیا"

مکہ کے جنوب مشرق سے جہاں آجکل شعب ابی طالب ہے اور جہاں حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا گھر تھا" آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم، متین صورت لئے دھیمی لیکن پروقار چال کے ساتھ چلے آ رہے ہیں سر پر عمامہ ہے لمبا کرتا تہمد باندھے ہوئے ہیں پاوں میں سادہ سا جوتا ہے دائیں ہاتھ میں عصا اور بائیں ہاتھ میں آپ نے کپڑے کی ایک پوٹلی تھامی ہوئی ہے، جس میں خشک کھجوریں جو کی روٹیاں اور دوسری مختصر اشیائے خوردنی باندھی ہوئی ہیں، پانی پینے کا ایک برتن ہے یہ آپ کا زادراہ ہے،

ہم آپ کو پہاڑ کی شمال مشرقی سمت سے نشیب سے فراز کی طرف آتے دیکھتے ہیں، مکہ کے باشندوں سے قطعی مختلف مزاج، اطوار اور طبیعت کا انسان دھیمے لیکن مستحکم قدموں کے ساتھ فراز کوہ کی جانب رواں دواں ہے وہ پرسکون لیکن پرعظم اور متفکر لیکن وجیہ چہرے کے ساتھ اس انوکھے اور مسعود سفر پر قدم بڑھاتے چلے آ رہے ہیں حتیٰ کہ وہ بالکل ہمارے قریب آکر اس حوض کے پاس رک جاتے ہیں، جس میں بارش کا تھوڑا سا پانی جمع ہے یہاں سے غار حرا بھی نزدیک ہے اس لئے وہ پانی کے نزدیک بیٹھ جاتے ہیں اور ہم ان کے سراپا کو محبت بھری نظروں سے دیکھتے ہیں اور دیکھتے ہی چلے جاتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کاش اس لمحے کو دوام حاصل ہو جائے،،

محبت کی جلوہ گاہ

آہستہ آہستہ یہ عالم استغراق دھوئیں کا گردباد بن کر دور ہوتا گیا، تخیل کا پردہ گر گیا اور میں عالم ہست و بود میں آ گیا، چوٹی پر سے حافظ فتح شاہ صاحب جلدی کی صدا لگا رہے تھے، ہم نے تیز قدم لئے لیکن کہیں کہیں راستہ ایسی چٹانوں سے گذرتا تھا جن پر احتیاط سے قدم رکھا جا سکتا تھا پھر ہم کچھ راستہ بھول بھی گئے چٹانوں کے ساتھ بغل گیر ہو کر اور دونوں بازوں چٹان پر پھیلا کر ایک ایک قدم بڑھائے تھے، یوتھ ہوسٹل میں سیکھی ہوئی کوہ پیمائی یاد آئی، اس دشوار گذار راستے سے گذرے تو آگے راستہ پھر آسان ہو گیا، سامنے ہمارے سب دوست جمع تھے اور انتظار کر رہے تھے ہم بھی جبل نور کی چوٹی پر پہنچ گئے اب ہمارے اور آسمان کے درمیان کوئی رکاوٹ نہیں تھی ہوا تیز تھی چاروں جانب نظر دوڑائی مغرب کی سمت نگاہ رک گئی وہاں حرم والا شہر تھا

مکہ معظمہ اور اس کے قلب میں بیت اللہ شریف کے مینار نظر آ رہے تھے دو دو اکٹھے مینار جیسے کسی نے گڑگڑا کر دعا مانگنے کیلئے دونوں بازو پوری طرح بلند کر رکھے ہوں، وہ دیکھیں اہنیاں بھی ہیں، آج سے دو تین ہزار سال پہلے وہاں کی یادیں تازہ ہو گئیں، ماں نے پیاسے اور بلکتے ہوئے بچے کو زمین پر لٹا دیا ہے، اور سیاہ سنگی پہاڑی سے پانی کی تلاش میں ادھر والی پہاڑی پر بھاگی ہوئی آ رہی ہے مایوس لوٹتی ہے پھر آ رہی ہے اور بچہ زمین پر ایڑیاں رگڑ رہا ہے، نوجوان بیٹا پتھر

> **جبل نور کے پتھروں پر بھی گویا تفکر کا سماں چھایا ہوا تھا"**

اٹھا اٹھا کر لا رہا ہے، معمر باپ انہیں استوار کر کے کعبۃ اللہ کی بنیادیں رکھ رہا ہے اور دعا مانگ رہا ہے کہ خدایا! اسے امن و سلامتی کا شہر بنا اور یہ صرف پانچ سال پہلے کی بات ہے کعبے کے پاس چادر بچھی ہے جس کے اردگرد معززین مکہ جمگھٹا کئے ہوئے ہیں اور سنت ابراہیمی پر عمل کرتے ہوئے ایک ہستی اس چادر پر سے حجر اسود کو اٹھا کر کعبہ میں رکھ دیتی ہے، اس ہستی کو آپ بھی پہچانتے ہیں۔ انہی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے تو ہم جبل نور کی چوٹی پر پہنچے ہیں غار حرا میں جانے کیلئے لیکن غار حرا، پہاڑ کی چوٹی پر نہیں ہے اس کے لئے قریباً ساٹھ ستر میٹر نیچے مغرب کو جانا ہو گا یہ دیکھیں تیر کے نشان ہماری رہبری کر رہے ہیں سب ساتھی اس پر ہو لیتے ہیں میں بھی ان کے پیچھے ہو لیتا ہوں اور ایک بار پلٹ کر اس راستے پر نگاہ بازگشت ڈالتا ہوں جہاں سے ہم ابھی ابھی آئے تھے

(باقی ۲۳ پر)

چند معروضات

عازمین حج کی خدمت میں

از: محمد شفیع عمر الدین میرپور خاص

جب بیت اللہ شریف تعمیر ہو گیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بحکم خداوندی ایک پہاڑ پر کھڑے ہو کر پکارا کہ "اے لوگو! اللہ نے تم پر حج فرض کیا ہے حج کو آؤ" اللہ تعالےٰ نے عالم ارواح میں یہ آواز سب روحوں کو پہنچا دی۔ جن کی قسمت میں حج کرنا لکھا تھا انہوں نے لبیک کہا۔ یہی خوش نصیب لوگ دنیا میں حج کرتے ہیں۔

حج اسلام کا ایک رکن ہے ہر عاقل اور بالغ مسلمان پر عمر میں ایک بار فرض ہے بشرطیکہ اسے زادِ راہ میسّر ہو۔ حاجی بڑا خوش نصیب ہے کہ اسے اس مبارک سفر میں اللہ تعالےٰ کے مہمان ہونے کا شرف حاصل ہوتا ہے۔ اس کی دعائیں قبول ہوتی ہیں، اس کے گناہ بخشے جاتے ہیں اس کے لیے جنت کا وعدہ ہے۔

لہٰذا ہر عازمِ حج کا فرض ہے کہ اس عظیم الشان فریضہ کو شرعی احکام کے مطابق صحیح طور پر بجا لانے کے لیے روانگی سے قبل حج کے مسائل محقق علماء کرام اور مستند کتابوں سے پوری طرح سیکھے۔ سب فرائض، واجبات، سنن اور مستحبات کو سمجھ لے اور ہمارے ایک محترم بزرگ کے اس قول کا مصداق نہ بنے کہ "عازمین حج کی اکثریت مسائل سے ناواقف ہونے کی وجہ سے بکثرت غلطیاں کرتی ہے۔"

اس مضمون میں تفصیل میں جانے کی گنجائش نہیں مگر مختصراً عرض ہے، غلطیوں سے بچنے کے لیے عازمین حج کو مندرجہ ذیل امور کے متعلق پوری طرح شرعی معلومات ہونی چاہییے:۔

زادِ راہ

عین حلال اور پاک ہو۔ رشوت اور حرام کا ایک پیسہ بھی نہ ہو۔ تاکہ حج مبرور ہو جائے۔

احرام

حج یا عمرہ کے لیے احرام باندھنا شرط ہے۔ یہ مقررہ میقات سے یا میقات پر پہنچنے سے قبل باندھا جاتا ہے۔ "حج کے احرام" کے لیے سارا شوال اور سارا ذی قعدہ اور ذوالحجہ کا پہلا عشرہ مقرر ہے۔ "عمرے کا احرام" سارے سال میں باندھا جا سکتا ہے۔ احرام میں کون سی باتیں جائز ہیں اور کن باتوں کی ممانعت ہے ان کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیں۔

طواف

مکہ شریف میں پہنچ کر پہلا کام حرم شریف میں حاضر ہو کر بیت اللہ شریف کا طواف کرنا ہے۔ بیت اللہ شریف کے گرد سات چکّر لگانے سے ایک طواف ہوتا ہے۔ طواف میں باوضو ہونا اور لباس اور بدن کا پاک ہونا ضروری ہے۔ طواف میں مسنونہ دعائیں پڑھیں۔ نیز کوئی دعا پڑھنا یا ذکر جائز ہے۔ طواف کے ہر قدم پر گناہ معاف ہوتا ہے۔ اور نیکی ملتی ہے۔ طواف کے بعد دو رکعت نماز واجب ہے۔

سعی صفا و مروہ

طواف کے بعد سعی کی جائے سعی کے لیے باوضو ہونا اور بدن و لباس کا پاک ہونا ضروری ہے اس میں سات چکر ہیں۔

۱۔ صفا سے مروہ (۲) مروہ سے صفا (۳) صفا سے مروہ (۴) مروہ سے صفا (۵) صفا سے مروہ (۶) مروہ سے صفا (۷) صفا سے مروہ۔ یہ مقبولیت دعا کا مقام ہے۔ خوب عاجزی اور تضرع سے دعا مانگیں۔

حلق یا قصر

سعی کے بعد دو رکعت نماز نفل پڑھ کر اگر "عمرے کا احرام" ہے

تو سر کے بال کتروا کر یا منڈوا کر احرام کھول ڈالیں "حج کا احرام" یا "حج و عمرہ کا اکٹھا احرام" ہو تو نہ بال کتروائیں نہ ہی منڈوائیں بلکہ بدستور احرام میں رہیں۔ اور دس ذوالحجہ کو جمرہ عقبہ پر کنکریاں مار کر اور قربانی کرنے کے بعد احرام ختم کریں۔

مناسک حج ایامِ حج کا تاریخ وار

دستور العمل

۸ ذوالحجہ

(۱) ۷ یا ۸ ذوالحجہ کو مکہ مکرمہ میں جو حاجی احرام میں نہیں ہیں وہ حج کا احرام باندھتے ہیں۔

۲۔ اگر آج صفا و مروہ کی سعی کرنی ہو تو اضطباع و رمل کے ساتھ بیت اللہ شریف کا طواف کیا جاتا ہے۔ طواف کے بعد سعی کی جاتی ہے۔ یہ سعی طواف زیارت (جو ۱۰ ذوالحجہ کو کیا جاتا ہے) کے بعد کرنی افضل ہے۔

۳۔ طلوع آفتاب کے بعد منیٰ کی طرف روانہ ہوں۔ منیٰ میں آج کی ظہر، عصر، مغرب اور عشا کی نمازیں اور کل (۱۰ ذوالحجہ) کی فجر نماز پڑھیں۔

۴۔ رات قیام منیٰ میں رہے گا۔

۹ ذوالحجہ۔ عرفہ کا دن

(۱) فجر نماز منیٰ میں پڑھ کر سورج نکلنے کے بعد عرفات کی طرف روانہ ہوں۔ زوال سے پہلے کھانے پینے سے فارغ ہو جائیں۔ غسل اور وضو کر کے تیاری کریں۔

۲۔ ظہر کے وقت مسجد نمرہ میں خطبہ دیا جاتا ہے اور ظہر و عصر کی نمازیں امام جماعت کے ساتھ ظہر کے وقت پڑھتا ہے۔ بعض حجاج یہ نماز امام کے ساتھ پڑھتے ہیں اور بعض معلموں کے خیموں میں پڑھتے ہیں۔ معلموں کے خیموں میں دونوں نمازیں جمع کر کے ظہر کے وقت نہیں پڑھی جاتیں بلکہ مقررہ وقتوں پر پڑھتے ہیں۔

ظہر کی نماز کے بعد عرفات پر معلموں کے خیموں میں حجاج وقوف کرتے ہیں۔ وقوف باوضو، قبلہ رُخ ہو کر کرنا بہتر ہے۔ ظہر سے لے کر غروب آفتاب تک ذکر و فکر کریں، عاجزی اور تضرع سے دعائیں مانگیں، گناہوں کی بخشش مانگیں۔

۳۔ سورج غروب ہونے کے بعد جب زردی ختم ہو جائے تو عرفات سے مزدلفہ (مشعر الحرام) کی طرف روانہ ہوں۔ مغرب کی نماز عرفات میں نہیں پڑھی جائے گی۔

۴۔ جب مزدلفہ پہنچیں تو رات کے وقت مغرب اور عشاء کی نمازیں اکٹھی پڑھیں۔ مزدلفہ میں رات کو جاگنا مستحب ہے۔ جمرات پر مارنے کے لیے ستر کنکریاں چنے کے دانے برابر یہاں سے لے لیں۔ یہاں کنکریاں بکثرت موجود ہیں۔

۱۰ ذوالحجہ یوم نحر۔ عید کا دن

۱۔ آج مزدلفہ میں فجر نماز منہ اندھیرے اوّل وقت پر پڑھیں۔

۲۔ فجر نماز کے بعد وقوف مزدلفہ کریں۔

۳۔ وقوف کے بعد سورج نکلنے سے پہلے مزدلفہ سے منیٰ کی طرف جائیں۔

۴۔ منیٰ پہنچ کر سورج نکلنے کے بعد چاشت کے وقت صرف جمرہ عقبہ کی رمی کریں (اس پر سات کنکریاں ماریں) لبّیک پکارنی بند کر دیں۔

۵۔ منیٰ میں عید نماز نہیں پڑھی جاتی۔ کنکریاں مار کر قربان گاہ میں جا کر قربانی کریں۔ یہ دم شکرانہ (شکرانہ کی قربانی) ہے۔

۶۔ قربانی کے بعد سر کے بال منڈوائیں یا کتروائیں۔

۷۔ مذکورہ بالا افعال بجا لانے کے بعد احرام ختم ہو جاتا ہے۔ احرام کی چادریں اتار کر دستوری لباس پہن لیں۔ (خوشبو کا استعمال اور قربتِ زوجہ طوافِ زیارت تک روا نہیں)

۸۔ بہتر ہے کہ آج مذکورہ بالا افعال بجا لا کر مکہ مکرمہ جا کر طوافِ زیارت کریں (یہ طواف ۱۲ ذوالحجہ کے غروب آفتاب سے قبل تک کیا جا سکتا ہے)

۹۔ اگر ۷ یا ۸ ذوالحجہ کو احرام باندھ کر سعی صفا و مروہ نہ کی ہو تو آج کر لیں۔ اگر پہلے کی گئی ہو تو دوبارہ نہ کریں۔

۱۰۔ طواف کے بعد منیٰ کو واپس آئیں۔ رات منیٰ میں گزاریں۔

۱۱ ذوالحجہ

آج منیٰ میں قیام رہے گا۔ ظہر کے وقت مسجد خیف میں خطبہ مسنونہ ہوگا۔

آج "زوال کے بعد" تینوں جمرات (جمرہ اولیٰ، جمرہ وسطیٰ اور جمرہ عقبہ) پر سات سات کنکریاں ماریں۔

۱۲۔ ذوالحجہ آج "بعد زوال" تینوں جمرات پر کنکریاں ماریں۔

غروب آفتاب سے پہلے آج مکہ مکرمہ کی طرف لوٹ جانے کا اختیار ہے۔

۱۳۔ ذوالحجہ اگر رات منیٰ میں رہے ہوں تو آج بھی زوال کے بعد تینوں جمرات پر کنکریاں ماریں اور مکہ معظمہ کی طرف لوٹ جائیں۔

الحمدللہ حج پورا ہوا۔ اب حاجی کے ذمے ایک واجب رہ گیا ہے وہ ہے طواف وداع۔ جب وطن روانہ ہونے لگے گا تب کرے گا۔

• • • • • • • • • • • • • • • • • • • •

زائرِ مدینہ کا سلام

نتیجۂ فکر: لال دین اخگر ایم اے

اے مدینہ تیری ملکوتی فضاؤں کو سلام
جان و دل سے فردوسی ہواؤں کو سلام

وادیٔ بطحا تری ہر شے مجھے محبوب ہے
سنگریزوں اور خاروں کی جفاؤں کو سلام

اے شہنشاہِ رسالت اے حبیبِ ذاتِ حق
مجھ عقیدت کیش کا تیرے گداؤں کو سلام

چار سُو تیری فضا رشکِ جناں رشکِ جناں
مسجدِ نبوی! تری قُدسی فضاؤں کو سلام

اللہ اللہ ہر طرف انوار ہی انوار ہیں!
خاکیوں اور نُوریوں کو، ہمنواؤں کو سلام

مرحبا صدیقِ اُمت حبّذا فارُوقؓ دیں
کہہ رہا ہے خودٗ خُدا جن کی وفاؤں کو سلام

رحمتِ حق سے کبھی دیکھے تھے جو دیوار و در
اخگرِ مہجور کا اُن آشناؤں کو سلام

یادِ رفتگان

رانا محمد نواز خاں، فیصل آباد

میاں عبدالباری مرحوم

قیامِ پاکستان کے بعد سول اور فوجی عہدوں سے انگریز افسروں کو میاں صاحب کی مہم پر ہی رخصت کیا گیا!

میاں عبدالباری مرحوم ۱۸۹۶ء میں مقصود پور ریاست کپور تھلہ مشرقی پنجاب میں پیدا ہوئے۔ ان کا بچپن نہایت ہی پاکیزہ اور سیاسی ماحول میں گذرا۔ چنانچہ اس ماحول سے ان کی آئندہ زندگی بہت متاثر رہی۔ ہمسائگی کی وجہ سے مجھے موصوف کو قریب سے ملنے اور دیکھنے کا موقعہ ملا۔ وہ روح پرور منظر بھی یاد آتا ہے۔ جب ان کے ہمراہ مسجد میں نمازِ فجر کے وقت درسِ قرآن و حدیث سننے کا موقع ملتا تھا۔

ایک دن اس سوال پر کہ "میاں صاحب! آپ کو مذہب سے اتنا گہرا شغف کیسے ہوا؟" میاں صاحب فرمانے لگے "ایک معمولی واقعہ نے میرے قلب کو بہت متاثر کیا۔ قرآن شریف کا مطالعہ شروع سے ہی میری زندگی کا معمول رہا ہے۔ ایک روز قرآن حکیم میں ان آیات کا مطالعہ کیا جن میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ میں نے آدمؑ کو تمام اسماء سکھا دیئے۔ اور پھر فرشتوں سے کہا کہ ذرا ان چیزوں کے نام تو بتاؤ؟ فرشتوں نے عرض کی "نقص سے پاک تو آپ ہی کی ذات ہے ہم تو بس اتنا ہی علم رکھتے ہیں جتنا آپ نے ہم کو دیا ہے۔ حقیقت میں سب کچھ جاننے اور سمجھنے والا آپ کے سوا کوئی نہیں"۔ بقرہ (۳۱-۳۲)

اسی روز کالج میں منطق کا پیریڈ تھا اور پروفیسر نے بتایا کہ انسان کی دو قوتیں ایسی ہیں جن کی بدولت وہ تمام کائنات میں اعلیٰ و ارفع ہے۔ ایک قوتِ انجذاب اور دوسری قوتِ ممیزہ یعنی انسان کی یہ صلاحیت کہ ہر چیز کو ان کے نام سے پہچان سکتا ہے۔ انسان کی یہ صلاحیت کہ ہر چیز کی علیحدہ علیحدہ شناخت کر لیتا ہے۔ اسے عظیم قوت عطا کرتی ہے۔

سبق کے دوران اور سبق کے بعد مجھے قرآن کی محولہ بالا آیات بار بار یاد آتی رہیں اور خیال آیا کہ "جس حقیقت تک انسان اس قدر ریاضت اور کاوش کے بعد پہنچا ہے۔ اسے قرآن حکیم میں کس قدر سادگی اور فطری انداز میں بیان کر دیا گیا ہے"۔

پھر تین سال بعد مجھے کابل جانے کا اتفاق ہوا اور مولا عبیداللہ سندھی سے ایک برس تک قرآن کا درس سنا تو میرے دل پر گہرا اثر ہوا اور میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ "انسان کی فلاح اللہ تعالےٰ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت اور بندگی میں ہے"۔

ان کی سیاست احساسِ سود و زیاں سے بالاتر تھی، ان کی سیاسی زندگی مصلحت آمیزی سے ناآشنا تھی جب کبھی قومی اور ملّی

تقاضوں نے سیاسی عمل کی دعوت دی وہ سیاست میں سینہ سپر ہو گئے۔

قائد اعظم مرحوم کے ان معتمد ساتھیوں میں سے تھے۔ جنہوں نے مسلم لیگ میں شامل ہو کر قابلِ قدر خدمت انجام دیں۔ قیامِ پاکستان کے بعد میاں عبدالباری پنجاب مسلم لیگ کے صدر منتخب ہوئے۔ ممدوٹ دولتانہ کشمکش میں میاں صاحب کی شخصیت ہی تھی جس پر غیر جانبدار انداز میں اعتماد کیا گیا۔ دراصل ان کی قیادت پنجاب کی اعلیٰ سیاست کے لئے ناگزیر تھی۔ میاں صاحب نے عمر بھر اقتدار حاصل کرنے کی کوشش نہ کی۔ بلکہ ایسی پیشکشوں کو کبھی درخورِ اعتنا نہ سمجھا۔ وہ ہمیشہ غیر سرکاری مسند پسند کرتے تھے۔ صوبائی مسلم لیگ کونسل نے جب انہیں پنجاب کی حکومت چلانے کے لئے صوبائی مشیر مقرر کرنے کا اختیار دیا تو انہوں نے حکومت کے مشیر عوامی نمائندوں میں سے منتخب کیے۔

۱۹۴۹ء میں جب میاں صاحب پنجاب مسلم لیگ کے صدر تھے تو انہوں نے پاکستان سے انگریز کی افسر شاہی کے خاتمے کی مہم کا آغاز کیا۔ خان لیاقت علی خاں کو ان کی یہ بات ماننا پڑی اور، تمام سول اور فوجی کلیدی آسامیوں سے سبکدوش کر دیا گیا۔ سر فرانسس موڈی گورنر پنجاب کو بھی چھٹی مل گئی۔ پارٹی قیادت کو بد دیانت عناصر سے پاک کیا اور تھوڑے ہی عرصے میں پارٹی کے وقار کو بلند و بالا کر دیا۔ مجھے یاد ہے ان دنوں میاں صاحب کے پاس ایک جیپ ہوتی تھی۔ جس پر وہ پنجاب کا طوفانی دورہ کیا کرتے تھے۔

۱۹۷۵ء میں میاں صاحب صوبائی اسمبلی میں حزب اختلاف کے لیڈر رہے ۱۹۶۲ء میں وہ قومی اسمبلی کے رکن تھے۔ میاں صاحب اور ان کے رفقا، جن میں مشرقی پاکستان کے ممبر بھی تھے۔ ایوب خان کو مجبور کرتے رہے۔ کہ ملک میں بالغ رائے دہی کی بنیاد پر انتخاب کرائے جائیں لیکن ایوب خان بنیادی جمہوریت کا سہارا لئے ہوئے تھے۔ آخر ووٹنگ ہوئی اور سرکاری پارٹی صرف ایک ووٹ سے جیت گئی۔ میاں باری وڈیروں کی سیاست سے اہلِ پنجاب کو نجات دلانا چاہتے تھے۔ چنانچہ ان کا وجود عوامی امنگوں کا آئینہ دار تھا وہ ہر قسم کے گٹھ جوڑ اور سودے بازی سے بالاتر تھے ان کا ضمیر منیر ہی ان کی متاعِ عزیز تھا وہ نہ وزیر تھے نہ کسی گروپ کے لیڈر، اس کے باوجود ان کا مقام وزیروں اور گروپ لیڈروں سے ارفع و اعلیٰ تھا

میاں صاحب کی زندگی کا ایک اور نمایاں پہلو یہ تھا کہ وہ بنیادی طور پر مذہبی انسان تھے۔ وہ سیاست اور خدمت خلق کو عبادت کا ایک حصہ سمجھتے تھے ان کے سامنے محض وہ اصول نمایاں رہے۔ جن کی حفاظت اور پابندی ان کا جزوِ ایمان تھا یعنی اسلام اور پاکستان۔

بقیہ صد ۱۷

اور جس راہ کا ایک ایک پتھر سر خوشی میں مست الست پڑا کہہ رہا ہے۔ نگاہِ عشق و مستی میں ہم انمول ہیں کیونکہ ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم چومنے کا شرف حاصل ہے اور یوں لگتا ہے کانوں میں دھیمے دھیمے کوئی رس گھول رہا ہے پھر یہ آواز بڑھتی جاتی اور قریب آجاتی ہے اور یہ تو ..... اس موقعہ و محل کے لئے چوہدری خورشید انور کا سنایا ہوا شعر ہے "

" جہاں جہاں سے وہ گزرے جہاں جہاں ٹھہرے

" وہی مقام " محبت کی جلوہ گاہ ہوئے

(محمد شفیع عمر دین بر پور رخاص)

زیارت حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سعادت عظمیٰ ہے

اقوال علماء کرام

جاننا چاہیئے کہ زیارت سید المرسلین حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اہلسنت والجماعت کے حضرات علمائے سلف و خلف کے اجماع قولاً و فعلاً کی رو سے افضل سنتوں اور تاکیدی مستحبات میں سے ہے،

حضرت نانی (؟) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ زیارت حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم باتفاق علمائے کرام سنت اور مرغوب فضیلت ہے۔ بعض حضرات مالکیہ کے نزدیک واجب ہے اور اس قول کی تاویل دوسرے حضرات کے نزدیک یہ ہے کہ سنت ہے واجب کے قریب گویا ان کی مراد یہ ہے کہ زیارت سنت مؤکدہ مثل واجب کے ہے اور زیارت کی تاکید کے لئے یوں کہا گیا ہے ×

اکثر علماء کے نزدیک حج کے بعد زیارت سنت ہے، حضرت قاضی حسین شافعیؒ فرماتے ہیں کہ حج سے فارغ ہونے کے بعد ملتزم شریف کے سامنے ٹھہریں اور دعا مانگیں، پھر اس کے بعد مدینہ منورہ حاضر ہوں، اور قبر مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بابرکت سے مشرف ہوں، حضرت قاضی ابی الطالب رح کا ارشاد ہے کہ حج وعمرہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا قصد کریں،

حضرت امام اعظم رح کا قول ہے کہ حاجیوں کے لئے بہتر یہ ہے کہ ابتداً مکہ مکرمہ سے کریں اور مناسک بجالائیں، اس کے بعد مدینہ شریف میں حاضر ہوں اور زیارت قبر شریف کریں یہ حنفیہ کے نزدیک افضل و مستحب ہے اور یہ تاکیدی مستحب قریب واجب کے ہے حضرات علماء کرام مذاہب اربعہ نے حج کو مقدم کرنے کی تصریح فرمائی ہے،

بعض حضرات سلف باوجود اس کے کہ مدینہ منورہ مکہ مکرمہ کے راستہ پر پڑتا تھا، پھر بھی اول مدینہ منورہ کی حاضری کو لازم شمار کرتے تھے

فضیلت زیارت

حدیث: جس نے میری قبر کی زیارت کی، اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگی

حدیث: جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لئے میری شفاعت حلال ہوگی،

حدیث: جو شخص میری زیارت کرنے کو آیا کہ اس کو سوائے میری زیارت کے اور کوئی حاجت نہ تھی، اس شخص کا میرے اوپر یہ حق ہے کہ قیامت کے دن میں اس کی شفاعت کروں

حدیث " جو شخص خالی حج کرے اور میری زیارت کو نہ آئے، اس نے میرے ساتھ بڑی بے مروتی کی،

حدیث " جس شخص نے مدینہ میں میری زیارت کی میں اس کا شفیع و شاہد ہونگا"

حدیث " جس شخص نے میری قبر کی زیارت کی، میں اس کا شفیع و شاہد ہونگا"

حدیث " جس شخص نے قصد کر کے میری زیارت کی وہ قیامت کے دن میرا پڑوسی ہوگا اور جو شخص دو حرمین (مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ) میں سے کسی ایک حرم میں فوت ہوگا اس کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن امن والوں میں سے اٹھائیگا"

حدیث " جس شخص نے حج کیا اسلام کا حج (مسلمانی کی حالت میں) اور میری قبر کی زیارت کی، اور جہاد کیا، اور بیت المقدس میں نماز پڑھی اللہ تعالیٰ اس سے دوسرے فرائض کے متعلق نہ پوچھیگا، (اس کی بخشش کے یہی کافی ہیں)

حدیث " جس شخص نے مکہ مکرمہ کا حج کیا پھر میری مسجد (مسجد نبوی) کا قصد کیا (وہاں حاضر ہوا) اس کے لئے دو حج مبرور لکھے جائینگے،،

حدیث " جس شخص نے میرے وصال کے بعد میری زیارت کی گویا اس نے میری زیارت میری زندگی میں کی قیامت کے دن اس کی شفاعت مجھ پر واجب ہے"

حدیث " جس شخص نے میرے وصال کے بعد میری قبر کی زیارت کی گویا اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی، اور جو شخص میری زیارت کو نہ آئے اس نے میرے ساتھ بڑی بے مروتی کی"

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز

باقی ۲۶

ایک نامور خاتون

از مریم صدیقہ

ایک حدیث ہے کہ انسان پہلے آسمان پر مقبول ہو لیتا ہے تب زمین پر مقبول ہوتا ہے یعنی جو شخص اپنی نیکیوں اور اعلیٰ انسانی صفات کی بدولت اپنے آپ کو خدا کا مقبول بندہ ثابت کرتا ہے اس کی تمام لوگ عزت کرنے لگتے ہیں اور وہ دنیا میں ہر دلعزیز ہو جاتا ہے۔

خدا کی مقبولیت اور دنیا میں ہر دلعزیزی علم و عقل سے حاصل ہوتی ہے اور نہ حسن و جمال سے ملتی ہے اس کے حصول کا ذریعہ صرف ایک چیز ہے "نیکی"۔ مصر ہی میں دیکھو فرعون کتنا طاقتور تھا۔ ہامان اس کا وزیر کتنا عقلمند تھا قارون کس قدر دولت مند تھا مگر سب کے سب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے مردود ہوئے اور تمام مخلوق کے نزدیک ملعون ٹھہرے۔

اسی مصر میں ایک غریب اور کمزور خاتون جس کا نام سیدہ نفیسہ تھا گزری ہے جس کے پاس نہ سلطنت تھی نہ جاہ و جلال تھا مگر دل میں نیکی اور پرہیزگاری تھی اسی کی بدولت وہ آج ساڑھے بارہ سو سال گزرنے کے بعد بھی اس قدر مقبول ہے کہ لوگ اس کی پرستش نہیں کرتے اور باقی سب کچھ کرتے ہیں۔

سیدہ نفیسہؒ امام حسنؓ کے بیٹے زید کی پوتی ہیں ان کے باپ کا نام بھی حسن ہے۔

ان کی پیدائش ۱۳۴ھ میں مدینہ شریف میں ہوئی۔ پہلے قرآن شریف حفظ کیا، پھر علم، تفسیر، حدیث اور فقہ حاصل کیا۔ ان کے والد حسن خلیفہ بغداد ابو جعفر کی طرف سے ۱۵۰ھ میں مدینہ کے حاکم مقرر ہوئے۔ اسی سال حضرت جعفر صادقؒ کے بیٹے اسحاق الموتمن کے ساتھ نکاح کر دیا۔ وہ ان کو مکے میں لے گئے اور وہیں رہنا شروع کیا۔

۱۵۶ھ میں کچھ ایسے واقعات پیش آئے کہ خلفائے عباسی حضرت علیؓ کی اولاد کے دشمن ہو گئے چنانچہ سیدہ نفیسہ کے والد کو بھی خلیفہ منصور نے قید کر لیا، اور ان کا مال و متاع ضبط کر لیا۔

ان مخالفتوں کی وجہ سے سیدہ نفیسہ مع اپنے شوہر اسحاق الموتمن کے مکے سے مصر چلی گئیں اور وہیں سکونت اختیار کر لی۔

سیدہ کے علم و فضل اور خاص کر خاندانِ نبوت سے ہونے کی وجہ سے مصر والوں نے بڑی دھوم دھام سے استقبال کیا مقام عریش تک ہزارہا عورتیں اور حکام تجار اور علماء اور فضلا ان کی پیشوائی کے گئے آئے وہ مصر کے ملک التجار جمال الدین عبداللہ کے یہاں فروکش ہوئیں۔ مصر اور اس کے اطراف کے تمام لوگ برکت حاصل کرنے کی غرض سے ان کے پاس آئے تھے اور ہر وقت ان کا مسکن علماء و فضلاء نیز مختلف طبقہ کے لوگوں سے بھرا رہتا تھا۔ امام شافعی بھی ان کی خدمت میں آ کر حدیث سنتے اور ان کا بہت احترام کرتے تھے۔

اسی درمیان میں یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک یہودن بڑھیا اپنی اپاہج لڑکی کو لے کر ان کے پاس آئی ان کی دعا کی برکت سے وہ لڑکی بالکل اچھی ہو گئی جس کی وجہ سے اس لڑکی کا تمام محلہ مع اپنے والدین کے مسلمان ہو گیا۔ یہ کرامت دیکھ کر اس قدر خلقت ٹوٹی کہ سیدہ گھبرا گئیں اور مکے واپس جانے کا ارادہ کیا۔

مصر والوں پر یہ امر بہت شاق گزرا۔ انہوں نے مصر کے حاکم سری بن الحکم کو آمادہ کیا کہ جس طرح ہو سکے سیدہ کو مصر میں روکے۔ سری ان کے پاس آیا اور پوچھا کہ آپ یہاں سے کیوں تشریف لے جانا چاہتی ہیں انہوں نے کہا کہ کثرت ہجوم سے میں عبادت نہیں کر سکتی اور نیز یہ کہ میرا مکان بھی تنگ ہے اس میں اس قدر اژدہام کی گنجائش نہیں سری نے کہا کہ مکان کا تو یہ علاج ہے کہ میرا ایک مکان محلہ درب السباع میں نہایت وسیع ہے میں اللہ کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میں نے اس کو آپ کے لئے وقف کر دیا اور اس اژدہام کا بندوبست یہ ہے کہ ہفتہ میں دو روز مقرر کر دیجئے کہ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوں اور باقی دنوں میں کوئی نہ آنے پائے تاکہ آپ اطمینان سے عبادت کر سکیں۔

سیدہ نفیسہ نے شنبہ اور چہار شنبہ لوگوں کے واسطے مقرر کر دیا اور وہ سری کے محل میں جا کر رہنے لگیں۔ حکام مصر نے بڑی رقم آپ کے گزارہ کے لئے مقرر کر دی۔ جس سے آپ اپاہجوں اور مسکینوں کی مدد کرتی تھیں۔ سیدہ بڑی عبادت گزار تھیں اور انہوں نے تین حج کئے۔ اکثر روزے رکھا کرتی تھیں۔ رات رات بھر عبادت میں کھڑی اللہ کی درگاہ میں رویا کرتی تھیں۔

ان کی وفات بھی ناگہانی طور پر وقوع میں آئی۔ ۲۰۸ھ میں رمضان کے مہینے میں جب کہ ان کی عمر ۷۴ سال کی تھی۔ روزہ رکھے ہوئے قرآن شریف کی تلاوت کر رہی تھیں۔ یکایک ضعف طاری ہوا اور اسی دن انتقال کر گئیں۔

بچوں کا صفحہ

ایمانی قوت کے شرارے

اسعد قادری

دشمنوں سے تنگ آ کر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو انہوں نے ان کا پیچھا وہاں بھی نہ چھوڑا۔ وہ یہ ارادہ کر کے آئے تھے کہ اسلام تک مٹا دیں گے اس لئے دشمنوں نے پوری طاقت کے ساتھ مدینہ پر حملے کرنے شروع کر دیتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی تعداد میں کم تھے دشمن کی تعداد بہت زیادہ تھی اگر خدا کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہمت ہار بیٹھتے تو دشمن جیت جاتا۔ لیکن آپ نے ہمت نہیں ہاری اور خدا کا نام لے کر شہر کے گرد خندق کھودنا شروع کر دی کہ دشمن شہر کے اندر گھسنے نہ پاتے۔ اس کام میں ہر مسلمان نے جوش کے ساتھ حصہ لیا خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی کھدائی کرنے لگے کھدائی کرتے کرتے ایک جگہ بہت بڑا پتھر آ گیا جو کئی ضربیں لگانے پر بھی نہیں ٹوٹا۔ یہ دیکھ کر حضورؐ نے کدال اپنے ہاتھ میں لی اور پوری قوت کے ساتھ ایک بھرپور ہاتھ جو مارا تو پتھر میں سے ایک شرارہ نکلا حضور صلی اللہ علیہ وسلم خوشی سے پکار اٹھے۔ میں نے اس شرارے میں دیکھا ہے کہ کسریٰ کی سلطنت کی کنجیاں میرے حوالے کر دی گئی ہیں۔ آپؐ نے ایک اور ضرب لگائی اور پھر فرمایا قیصر کی حکومت کی کنجیاں بھی مجھ کو دے دی گئی ہیں۔ پتھر پر رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تیسری ضرب ایسی کاری لگی کہ وہ چور چور ہو گیا۔ ابھی اس واقعہ کو پچیس برس بھی نہیں گزرے ہوں گے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کچھ دکھایا گیا تھا بالکل سچ نکلا۔ روم اور ایران کی سلطنتیں اس وقت تمام دنیا کی سلطنتوں میں سب سے زیادہ طاقتور تھیں۔ ان پر اسلام کا جھنڈا لہرانے لگا وہ شرارے جو پتھر سے نکلے تھے دراصل ایمان کی قوت اور حرارت کے شرارے تھے۔ جن کی بدولت مسلمانوں نے آدھی دنیا کو فتح کر لیا تھا۔ یہ تھے ایمان کی قدرت کے شرارے۔

* * * * * *

انصاف پسند بادشاہ

سلجوقی سلطنت کا ایک نامور بادشاہ سلطان ملک شاہ نامی ہوا ہے۔ ایک دفعہ اصفہان کے جنگل میں شکار کو نکلا ایک گاؤں کے پاس سے گزر رہا تھا کہ شاہی آدمیوں کو بھوک لگی ایک غریب بڑھیا کی گائے بندھی تھی جس کے دودھ سے بڑھیا کے تین بچے پلتے تھے۔ انہوں نے اس کو ذبح کیا۔ اور خوب کباب بنا کر کھائے بڑھیا روتی پیٹتی آئی مگر کسی نے پروا نہ کی دل میں کہنے لگی بادشاہ سے کیوں فریاد نہ کروں۔ ایک روز خبر ملی کہ بادشاہ نہر کے پل پر سے گزرے گا وہ وہاں جا کر کھڑی ہو گئی بادشاہ کی سواری وہاں پہنچی تو بڑھیا نے آگے بڑھ کر گھوڑے کی لگام تھام لی اور کہنے لگی — بادشاہ سلامت! میرا انصاف نہر کے پل پر کرو گے یا پل صراط پر؟ بادشاہ کے ہمراہی بڑھیا کی جرأت دیکھ کر حیران رہ گئے اور بڑھیا کو وہاں سے ہٹانا چاہا لیکن بادشاہ

باقی ۲۷

بقیہ: زیارت حضرت رسول کریمؐ

پڑھتے ہیں، اور امام بیہقی رحؒ فرماتے ہیں کہ اس کے شواہد میں صحیح حدیثیں بہت ہیں"

اور ابو منصور بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ حضرات محققین و متکلمین کا اتفاق ہے کہ حضرت رسولؐ کریم صلی اللہ علیہ وسلم وفات کے بعد زندہ ہیں اور امت کی طاعات پر مسرور ہوتے ہیں اور حضرات انبیاء علیہم السلام کے جسم مبارک قبروں میں بوسیدہ نہیں ہوتے،

اور حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اللہ کے تقرب کا ذریعہ ہے، اور زیارت سے اور کون سا تقرب اولیٰ و اکمل ہو سکتا ہے لہذا قبر شریف کے لئے سفر کرنا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہونا بہت بڑی سعادت ہے،"

(ماخوذ از مکتوب فارسی نمبر ۲۳، از حضرت دوست محمد قندھاری نقشبندی موسیٰ زئی شریف)

حضرت شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ۔ مدینہ منورہ کی حاضری محض جناب سرور کائنات علیہ السلام کی زیارت اور آپؐ کے توسل کی غرض سے ہونی چاہیئے آپ کی حیات نہ صرف روحانی ہے، جو کہ عام مومنین اور شہداء کو حاصل ہے، بلکہ جسمانی بھی ہے اور از قبیل حیات دنیاوی، بلکہ بہت سی وجوہ سے اس سے قوی تر ہے، آپ سے توسل نہ صرف وجود ظاہری کے زمانہ میں کیا جاتا تھا بلکہ اس برزخی وجود میں بھی کیا جانا چاہیئے، محبوب حقیقی تک وصل اور اسکی رضا صرف آپ ہی کے ذریعہ اور وسیلے سے ہو سکتی ہے...... از ملفوظات حصہ اول ص۳۴

لہذا حجاج کرام کو چاہیئے کہ اپنے جہازوں کی روانگی کا خیال رکھتے ہوئے حج سے قبل یا بعد دیار حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر زیارت حضرت سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوں یہ بہت بڑی سعادت ہے ہ

"بے زیارت سوئے بیت اللہ مجر حاؤ کا کیا"
"عاشقوں کو روز محشر منہ نہ دکھلاؤ نگا کیا"

بچوں کے لیے

فرمانِ نبویؐ

زاہد الحسن زاہد لاہور

اچھے بچو! نبیؐ کا یہ فرمان ہے
دو جہانوں کا مالک ہے بس اک خدا
جو لاریب ہے وحدہٗ لاشریک
ساری دنیا ہے فانی، اسے ہے بقا

اچھے بچو! نبیؐ کا یہ فرمان ہے
علم حاصل کرو، علم حاصل کرو
خواہ اس کے لیے چین جانا پڑے
خوب محنت سے اور دل لگا کر پڑھو

اچھے بچو! نبیؐ کا یہ فرمان ہے
اپنے ماں باپ کی خوب خدمت کرو
بات کرنے میں سختی سے بولو نہ تم
اُن کی دن رات دل سے اطاعت کرو

اچھے بچو! نبیؐ کا یہ فرمان ہے
اپنے مہمان سے مسکرا کر ملو
چونکہ مہمان رحمت ہے اللہ کی
اس لیے اپنے مہماں کی خدمت کرو

شہد کے فوائد

گذشتہ سے پیوستہ

حکیم آزاد شیرازی

امراض کا سبب بھی بن جاتا ہے۔

شہد کے ساتھ گڑ، مچھلی، تیل، چربی گوشت اور خربوزہ نہیں کھانا چاہیئے۔

بعض حضرات کا خیال ہے کہ چھوٹی مکھی کا شہد بڑی مکھی کے شہد کی بہ نسبت زیادہ مفید ہوتا ہے۔ لیکن راقم الحروف کا تجربہ اور مشاہدہ اس کے برعکس ہے۔

شہد کو سُرمہ کے ساتھ یا لاہوری نمک یا پیاز کے پانی کے ساتھ ملا کر آنکھ میں ڈالا جائے تو آنکھ کو صاف کرتا ہے۔ نیز دمعہ بیاض اور نزول الماء کے لئے بھی مفید ہے۔

بہرہ پن دُور کرنے کے لئے شہد کو بڑ کے دُودھ کے ساتھ ملا کر کان میں ڈالنا مفید ہے۔

زخم پر شہد اور چونا ملا کر لگانے سے زخم اچھا ہو جاتا ہے۔

۳ ماشہ ابریشم باریک پیس کر تین گنا شہد میں ملا کر کھانے سے دل کو فرحت حاصل ہوتی ہے۔

ڈیڑھ تولہ سرخس کو شہد میں ملا کر کھانے سے اندرونِ جسم کے ہر قسم کے کیڑے باہر نکل آتے ہیں۔

ضعفِ گردہ کے لئے نخود سیاہ، تخم کرفس میں تین گنا شہد ملا کر کھانا مفید ہے۔

سداب کو شہد میں ملا کر کھانے سے رعشہ، درد سر، دردِ گردہ، تشنج، وجع الورک، صرع، سدر، دوار، دردِ مفاصل اور دردِ کمر دُور ہو جاتے ہیں۔

سُرخ مرچ کو جلا کر سہ گنا شہد ملا دل کے درد اور اختلاج کے لئے بھی شہد ازبس مفید ہے۔ دردِ دل کے دَورہ کے وقت چٹکی بھر اجوائن دیسی ایک کپ پانی میں جوش دیں اور ایک چمچی شہد حل کر کے پلائیں۔ انشاء اللہ فوراً فائدہ ہوگا۔

دورِ حاضرہ کے اکثر امراض معدہ کی جلن، دردِ شکم، قبض، سوئے ہضم، گیس، تیزابیت دُور کرنے کے لئے شہد کا استعمال ازحد مفید ہے۔

اور چونکہ شہد دافع تعفن اور جراثیم کش بھی ہے۔ لہٰذا پھوڑے، پھنسی، داد، چنبل، خارش کے لئے بھی مفید ہے۔

شہد کئی رنگوں کا ہوتا ہے۔

بہترین رنگ سُرخ شفاف ہوتا ہے۔ جس شہد کا رنگ مصری کی طرح سفید ہو وہ دوسرے شہدوں کی نسبت زیادہ لذیذ ہوتا ہے۔ اسی طرح موسم ربیع کا شہد موسم خریف کے شہد سے بہتر ہوتا ہے۔ زیادہ پرانا شہد استعمال کرنے سے گریز بہتر ہے کیونکہ یہ بعض مہلک لیں۔ اور دن میں ۳ ماشہ کی تین خوراکیں دینے سے کالی کھانسی دُور ہو جاتی ہے۔

شوگر کے مریضوں کے لئے بھی، چینی یا سکرین کے بجائے شہد کا استعمال بے ضرر ہے

حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک روایت کے مطابق حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ہر مہینے تین روز صبح کے وقت شہد چاٹ لے وہ کسی بڑی مصیبت اور بیماری میں مبتلا نہیں ہوتا۔ (مشکوٰۃ شریف)

بقیہ: بچوں کا صفحہ

گھوڑے پر سے اترا اور کہنے لگا، یہیں انصاف کر دوں گا۔ بڑھیا نے سارا ماجرا کہہ سنایا۔ بادشاہ کو بہت افسوس ہوا جن لوگوں کا قصور تھا ان کو سزا دی گئی اور بڑھیا کو ایک گائے کے عوض ستّر گائیں عطا کیں بڑھیا بہت خوش ہوئی اور کہنے لگی "اے بادشاہ! تُو نے میرے ساتھ انصاف کیا خدا اس کا بدلہ تجھے دے گا۔

بقیہ: اداریہ

اور جب تک تعلیم گاہوں اور امتحانی سنٹروں کے نظام کو رشوت سفارش اور دھونس دھاندلی سے نجات دلا کر تعلیم، دیانت اور محنت و شرافت کے اصولوں پر استوار نہیں کریں گے محض نعرات یا شور و غل کے ساتھ ہم اپنی ڈگریوں کی قدر و قیمت میں کوئی اضافہ نہیں کر سکتے۔